آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۶ | بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۰۷ء | نمبر ۸

فہرست مضامین

مندرجہ ذیل کتابیں دفتر مقبرہ بہشتی قادیان ضلع گورداسپور سے بذریعہ قیمت طلب پیکٹ مل سکتی ہیں ان کا مطالعہ مذہبی تحقیقات اور تاریخی معلومات اور مخالفین کے اعتراضات کی تردید کے لیے نہایت ضروری ہے مشرح فہرست ۱ر کا ٹکٹ بھیجنے پر ارسال خدمت ہوگی

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
انوار اللہ اردو	۸ر	قاعدہ عربی اردو	ار	تذکرۃ الشہادتین اردو	۵ر	شہادۃ القرآن اردو	۴ر
اجرومیہ عربی	۰ر	قرآن شریف مترجم مع تفسیر حقانی	عہ	″ فارسی	۳ر	صیان القرآن ″	۳ر
الذکر یعنی ترجمہ نماز و اسماء الٰہیہ	۲ر	مسک العارف ۔ اردو	۱ر	تحفہ قیصرہ اردو	۲ر	کشف الغطاء ″	۲ر
پارہ الٓمّ عربی	۲	نشان آسمانی ″	۲ر	تحفۃ الندوہ ″	۰ر	امہات القرآن حصہ اول	عہ
پنج ارکان اسلام اردو	ار	واقعات صحیحہ ″	۲ر	تقریریں ″	۲ر	″ حصہ دوم	عہ۸
تفسیر جلالین عربی	عہ۸	یسرنا القرآن حصہ اول	ار	تقریروں کا مجموعہ ″	۳ر	لیکچر سیالکوٹ اردو	۱ر
تفسیر فوز الکبیر عربی فارسی	۲ر	″ دوم	ار	سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب ″	۲ر	″ لاہور مہوتسو	۴ر
تقریر جلسہ [illegible] اردو	۲ر	″ سوم	ار	جنگ مقدس عیسائیوں سے مباحثہ ″	۶ر	مشکوۃ الانوار عربی	۴ر
جام شہادت اردو	۰ر	ہدیہ ثاقب اردو	۲ر	حمامۃ البشریٰ عربی	۸ر	مواہب الرحمٰن ″	۴ر
حمائل مترجم ۔ فارسی	عہ	الہدیٰ عربی	۶ر	حجۃ الاسلام اردو	ار	مبادی الصرف	۱ر
رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب اردو	۸ر	الحق لودیانہ ۔ اردو	۶ر	خطوط شیعہ کا جواب ″	۲ر	نسیم دعوت ۔ اردو	۳ر
سلسلہ دینیہ ۔ اردو	[illegible]	″ دہلی ۔ ″	۸ر	خطبہ الہامیہ مع ترجمہ فارسی اردو	عہ	نور الدین حصہ اول ″	۲ر
سلاسل القراءۃ ۔ عربی نمبر۱	۴ر	اعجاز احمدی ۔ عربی	۳ر	خلافت راشدہ حصہ اول اردو	۸ر	″ ″ دوم ″	۴ر
″ ″ نمبر۲	۸ر	احسن الکلام اردو	ـــر	″ ″ دوم ″	۴ر	ہدیہ سعدیہ عربی	۲ر
″ ″ نمبر۳	۱۳ر	ابطال الوہیت مسیح ″	ار	خزینۃ العارف حصہ اول دوم	۴ر	فضل حق ۔ اردو	ار
″ ″ نمبر۴	۱۳ر	آیات الرحمٰن ″	۸ر	″ ″ ″ سوم و چہارم	۸ر	سیرۃ المسیح ″	۸ر
آریہ دھرم ۔ اردو	۴ر	دعوت الحق ۔ ″	۵ر	اعلام الناس حصہ دوم	۴ر	آسمانی فیصلہ ″	۴ر
دینیات کا پہلا رسالہ ″	ار	شرح ترمذی ۔ نمبر۱ / ″ نمبر۲	عہ۸ / عہ۸	دعوت دہلی ۔ اردو	۱۰ر	دافع البلاء ″	ار
طریق النجات ۔ نمبر۱	۸ر	احمدی کامن نظم پنجابی	ار	دعوت الندوہ ۔ ″	۱۰ر	غنیۃ الطالب عربی	عہ
″ ″ نمبر۲	۷ر	براہین احمدیہ حصہ اول	۵ر	راز حقیقت ۔ ″	ار	شفاء السقام ″	عہ
″ ″ نمبر۳	۸ر	″ ″ دوم	۴ر	سرمہ چشم آریہ ۔ ″	۱۲ر	نوٹ ۔ ان قیمتوں میں	
″ ″ نمبر۴	۱۵ر	″ ″ سوم	۱۰ر	ست بچن ۔ ″	۱۰ر	محصول ڈاک شامل نہیں۔	
مسل مصفّٰی اردو	عہ۸	″ ″ چہارم	عاً				
		تکمیل براہین	۲ر				

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

حفاظت قرآن کریم

۶ - اعتراضوں کے جواب

اگرچہ جسقدر شہادت پہلے پانچ عنوانوں کے نیچے دیجا چکی ہے وہ اس بات کے ثابت کرنیکے لیے کہ قرآن کریم ہر ایک قسم کی تحریف اور تصرف سے محفوظ ہم تک پہنچا ہے اعلیٰ درجہ کی قطعی اور یقینی شہادت ہے اور کسی قسم کا شبہ باقی نہیں رہ جاتا۔ لیکن چونکہ اس سوال کے تمام پہلوؤں پر بحث کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے اس لیے ذیل میں ہم ان تمام اعتراضوں کو جو عیسائیوں نے قرآن کریم کے محفوظ ہونے پر کیے ہیں نقل کرکے انکا جواب دیتے ہیں تاکہ کسی مخالف کو یہ کہنے کی گنجایش باقی نہ رہے کہ فلاں اعتراض کا جواب نہیں دیا گیا۔ جہاں تک میں نے مخالفین کی تحریروں پر غور کیا ہے مندرجہ ذیل اعتراضات پر زور دیا گیا ہے۔

(۱) یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ موجودہ قرآن شریف میں بعض فقرے ناقص اور ٹوٹے ہوئے ہیں اور کہ اصل میں وہ فقرے کمل تھے۔ پس ضرور ہے کہ بعض حصے ضایع ہو گئے ہوں۔

(۲) ایک اور اعتراض یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے قرآن کے بعض نسخوں کو جو بعض صحابہؓ کے پاس تھے اور جن کی قرأتیں حضرت عثمانؓ والے صحیفہ سے مختلف تھیں تلف کرا دیا یا اُن کی اشاعت کو روکدیا۔ پس ان نسخوں کے تلف کرانے سے ضرور قرآن شریف کے کچھ حصے ضایع ہو گئے ہوں گے۔

(۳) ایک اعتراض یہ ہے کہ بعض حصوں کو ہمیشہ کے لیے قرآن شریف میں داخل کرنیکا منشاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ ہوگا یا نہ تھا یا بعض حصے منسوخ ہو گئے ہونگے اور ممکن ہے کہ زید نے ان امور پر اطلاع نہ پانیکی وجہ سے انکو قرآن شریف میں داخل کر دیا ہو۔

(۴) چوتھا اور بڑا بھاری اعتراض یہ سمجھا جاتا ہے کہ بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

وقت میں بعض عبارتیں قرآن شریف میں پڑھی جاتی تھیں جو اب نہیں پڑھی جاتیں جس سے موجودہ قرآن کریم کے ناقص ہونیکا نتیجہ نکالا جاتا ہے۔

(۵) پانچواں اعتراض یہ ہے کہ مسلمانوں میں بعض فرقے ایسے موجود ہیں (جس سے معترض کی مراد فرقہ شیعہ ہے) جو اس بات کو مانتے ہیں کہ قرآن شریف محفوظ نہیں رہا بلکہ ناقص ہے اور اس میں سے بعض حصے نکال دیئے گئے ہیں۔

مختلف مضامین کو پڑھکر جو قرآن کریم کی جمع پر لکھے گئے ہیں ہم نے یہ چند اعتراض مختصر الفاظ میں بطور خلاصہ ان مضامین سے نکالے ہیں۔ اور ان میں تازہ سے تازہ تصانیف جو اسلام کے خلاف لکھی گئی ہیں شامل ہیں۔ اب ہم اسی ترتیب کے ساتھ ان اعتراضوں کا ایک ایک کرکے جواب دینگے۔ اعتراض اول کا بڑا حامی ایک مضمون نویس ہے جس نے اسلام (محمڈنزم) پر انسکلوپیڈیا برٹینیکا میں مضمون لکھا ہے۔ یہ مضمون نویس لکھتا ہے کہ حضرت عثمانؓ والے نسخے مکمل نہیں تھے کیونکہ ان میں بعض فقرے ایسے پائے جاتے ہیں جو کھلے طور پر ناقص اور ادھورے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ان عبارتوں کا کچھ حصہ جس سے انکی تکمیل ہوتی تھی ضایع ہوگیا ہے۔ ایک طالب حق اور ایک سمجھدار انسان بڑی آسانی سے اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت کی اُس مضبوط اور قطعیۃ الدلالت شہادت کے بالمقابل جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ایسا وہم کچھ بھی وقعت نہیں رکھتا بلکہ اسکو دعویٰ بلا دلیل کی ذیل میں رکھکر رد کرنا پڑتا ہے۔ چونکہ قرآن شریف کا کوئی فقرہ ایک شخص کی نظر میں ادھورا دکھائی دیتا ہے اس لیے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ اصل فقرہ ضرور کچھ اور ہوگا اور کچھ حصہ اس کا ضایع ہوگیا ہوگا۔ ہم تو تاریخی شہادت پیش کرتے ہیں کہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا وہ سب صحابہؓ نے حفظ کر لیا اور مردوں اور عورتوں نے اپنے سینوں میں محفوظ کر لیا اور اس کے جواب میں یہ وہم پیش کیا جاتا ہے کہ چونکہ کسی صاحب کو کوئی فقرہ مکمل معلوم نہیں ہوتا اس لیے کچھ حصہ ضایع ہوگیا ہوگا۔ معتبر تاریخی شہادت کے خلاف ایسے توہمات کو پیش کرنا پرلے درجہ کی حماقت ہے۔ اب یہ بھی ثابت ہے کہ جسوقت حضرت زیدؓ نے تحریری جمع کے کام کو شروع کیا تو آپ نے نہ صرف قرآن شریف کے حافظوں سے ہی مدد لی بلکہ ان تمام تحریروں کو بھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی ہدایت سے لکھی گئی تھیں جہاں جہاں وہ تھیں وہاں سے ہی جمع کیا۔ اور اسطرح پر ہر ایک آیت اور ہر ایک لفظ کے متعلق پوری پوری تحقیقات کرکے اسکو صحیفوں میں لکھا۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ بعض فقرے ادھورے ہیں یہ خود مخالفین کی عربی زبان سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے جہاں کمال فصاحت و بلاغت کسی فقرہ میں پائی جاتی ہے اسکو بوجہ اپنی ناواقفیت کے وہ ادھورا کہدیتے ہیں اور جہاں نہایت باریک اور گہرا تعلق آیات میں ہے وہ بوجہ ایک سطحی نظر سے اسکو دیکھنے کے یہ کہدیتے ہیں کہ ان آیات میں کوئی ربط نہیں ہے۔ پھر ایسے ایسے توہمات کو جو ناواقفیت سے پیدا ہوتے ہیں اعلیٰ درجہ کی تاریخی شہادت کے بالمقابل اعتراضوں کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔

پھر گویا اسی بات کی تائید میں کہ بعض فقرے ناقص پائے جاتے ہیں وہی مضمون نویس انسکلوپیڈیا میں لکھتا ہے کہ "چند چھوٹے چھوٹے اور الگ الگ ٹکڑے اب تک ایسے پائے جاتے ہیں جو کہ اصل میں قرآن شریف کے حصے تھے مگر زیدؓ نے انکو شامل نہیں کیا" اب ان احادیث پر مفصل بحث چوتھے نمبر کے اعتراض میں آئے گی یہاں میں صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اعتراض اوّل کے ساتھ اسکو چسپاں کرنیسے معترض کا منشا یہ ظاہر کرنیکا ہے کہ جو فقرے ناقص پائے جاتے ہیں انہیں کے ٹکڑے ابتک حدیثوں میں موجود چلے آتے ہیں۔ اگر یہ ثابت کر دیا جاوے کہ بعض فقرے جنکو معترضین ادھورے سمجھتے ہیں وہ ان ٹکڑوں کے ساتھ شامل کرنیسے جو ایسی حدیثوں میں پائے جاتے ہیں درحقیقت کامل ہو جاتے ہیں تو پھر یہ مضمون بھی قابل بحث ہو جاتا ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ اعتراضوں کی بنا صرف توہمات پر ہے اور کوئی مثال پیش نہیں کیجاتی کہ مثلاً قرآن شریف کا فلاں فقرہ ناقص ہے اور فلاں حدیث میں جو یہ کہا گیا ہے کہ فلاں ٹکڑہ کسی وقت قرآن شریف کا جزو تھا۔ اگر اس ٹکڑہ کو اس ناقص فقرہ کے ساتھ ملا دیا جائے تو انکے ملنے سے ایک کامل فقرہ بن جاتا ہے۔ اگر ایسی کوئی مثال پیش کی جاءے تو پھر اعتراض کی صورت بھی بنتی ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ وہ ٹکڑے جو احادیث میں بیان کیے گئے ہیں انکے لیے کوئی ایسی جگہ قرآن شریف کے اندر نہیں ملتی کہ جہاں انکو رکھا جا سکے اور اسی سے ان ٹکڑوں کی اصل حقیقت کا پتہ لگتا ہے۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگر ان تمام اعتراضوں پر یکجائی نظر سے غور کیا جاوے تو وہ خود ہی ایک دوسرے کا بطلان کرتے ہیں بات یہ پیش کیجاتی ہے کہ قرآن شریف کے بعض حصے گم ہو گئے اور اسکی تائید میں یہ واقعات پیش کیے جاتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے سوائے ان صحیفوں کے جو اپنی نگرانی میں تیار کرائے تھے باقی تمام صحف قرآنی کو جلا دیا اور انکی نقلیں شایع نہ ہونے دیں اور کہ بعض احادیث میں یہ ذکر ہے کہ بعض ٹکڑے اصل میں قرآن شریف میں پائے جانے تھے جو اب اس میں داخل نہیں ہیں اور کہ بعض فقرے موجودہ قرآن میں ناقص ہیں اور کہ شیعہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ بعض حصے جن میں حضرت علیؓ کے فضایل کا ذکر تھا وہ قرآن سے نکالدیئے گئے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت عثمانؓ نے مصحف تیار کرا کے اطراف میں بھیجے اور دوسرے نسخوں کو جلانیکا حکم دیا تو اسکے بعد وہ اختلاف جو صحف عثمانی اور دیگر صحایف میں بتلائے جاتے ہیں یا تو موجود رہے اور یا قطعاً نابود ہو گئے اگر ایسے اختلاف صحف عثمانی کی اشاعت سے قطعاً رک گئے تھے تو پھر وہ احادیث جن میں یہ ذکر ہے کہ فلاں ٹکڑہ قرآن شریف میں داخل تھا بالکل غلط ثابت ہوتی ہیں۔ اور اگر ایسے اختلاف بعد میں بھی کچھ نہ کچھ محفوظ چلے آئے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے نسخے قرآن کریم کے دنیا سے کیوں نابود ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ کی سلطنت میں اگر یہ ممکن نہ تھا تو اس کے بعد کون روکنے والا تھا۔ جن لوگوں نے ان اختلافات کو نسلاً بعد نسل محفوظ رکھا تھا کیوں کچھ وقت گذرنے کے بعد جب اسلام کی سلطنت متفرق ہو گئی انہوں نے انکو اپنے نسخوں میں جمع نہ کر لیا اور کون مانع ہوا۔

پھر ایک دوسری مشکل اس میں یہ پیش آتی ہے کہ اگر وہ حصص جنکو کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمان نے چھوڑ دیا تھا محفوظ رہے یا کل نہیں تو ان میں سے بعض ہی محفوظ ہے تو چاہیئے تھا کہ وہ یا تو اعتراض نمبر اوّل اور یا اعتراض نمبر پنجم کے مطابق ہوتے۔ یعنی ان سے یا تو فرضی نقص بعض فقرات کا دُور ہوتا یا حضرت علیؓ کی فضیلت ان میں پائی جاتی۔ مگر تعجب یہ ہے کہ یہ ٹکڑے جنکا ذکر احادیث میں ہے نہ تو فرضی نقص کو پورا کرتے ہیں نہ ہی حضرت علیؓ کی فضیلت کی بُو تک انہیں پائی جاتی ہے۔ جو حصص گم ہوئے تھے انکا تو نام و نشان تک نہیں ملتا۔ اور جو حدیثوں میں ٹکڑے پائے جاتے ہیں وہ گم شدہ حصص میں سے نہیں ہیں۔ کیا یہ عجیب بات نہیں اور اس سے ایک دانشمند آدمی ایک مفید نتیجہ پر نہیں پہنچتا؟ ایک چیز کے گم ہونیکا دعویٰ کیا جاتا ہے اور اس کی تائید میں یہ پیش کیا جاتا ہے کہ فلاں جگہ سے وہ چیز یا اس کے کچھ اجزا برآمد ہوگئے ہیں مگر جب اس برآمد شدہ مال کو دیکھا جاتا ہے تو یہ قطعاً اس مال کا کوئی حصہ ثابت نہیں ہوتا جس کے گم ہونیکا دعویٰ کیا گیا تھا۔ پس اس دعویٰ کے بطلان پر یہی ایک دلیل کافی ہے۔ پھر کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ حضرت علیؓ کی فضیلت کے بعض حصص قرآنی حضرت عثمانؓ نے چھوڑے اور حضرت علیؓ خود ہی حضرت عثمانؓ کے بعد خلیفہ ہوئے مگر وہ اپنی فضیلت کے حصص کو دوبارہ قرآن شریف میں درج نہ کرسکے۔ پس یہ تمام اعتراض خود ہی ایک دوسرے کی تکذیب کرنیوالے ہیں۔ مگر ہم اپنے ناظرین کی مزید اطمینان کے لیے ان میں سے ہر ایک اعتراض پر الگ الگ بحث کرکے بھی انکا جھوٹا ہونا دکھاویں گے۔

اب ہم دوسرے اعتراض کو لیتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے یہ حکم دیا کہ سوائے ان اصلی صحف کے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے وقت میں تیار ہوئے تھے۔ اور ان مصحفوں کے جو ان صحف سے خود حضرت عثمانؓ نے نقل کرائے تھے باقی تمام نسخے قرآن شریف کے جلا دیئے جاویں۔ اب ان مصحفوں میں سے جو جلائے گئے یعنی جن کے جلانیکا حکم دیا گیا دو مصحفوں کو مصحف عثمانی کے بالمقابل معترضین خاص وقعت دیتے ہیں یعنی حضرت ابن مسعودؓ کا مصحف اور حضرت ابی بن کعب کا مصحف۔ ان مصحفوں اور عثمانی مصحفوں میں جو اختلاف بتایا جاتا ہے اس کے متعلق انسکلوپیڈیا برٹینیکا کے مضمون نویس کی رائے اس قابل ہے کہ اسے مخالفانہ نکتہ چینی کا جہاں تک ایسی نکتہ چینی مجنونانہ رنگ اختیار نہیں کرتی بہترین نمونہ سمجھا جاوے۔ یہ وہی مضمون نویس ہے جس کے مضمون محمدؐ ازم کا میں پہلے بھی حوالہ دے چکا ہوں۔ وہ لکھتا ہے۔

ساتھ ہی اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن شریف کی دوسری صورتیں فی الفور نابود نہیں ہوگئی تھیں خصوصیت سے ہمیں ابی کے نسخہ کے متعلق کچھ اطلاع ملتی ہے۔ جو فہرست اس کی سورتوں کی دیگئی ہے اگر وہ صحیح ہے تو یہ ماننا پڑیگا کہ ابی کے نسخہ میں وہی کچھ تھا جو ہمارے موجودہ قرآنوں میں ہے اس صورت میں یہ ماننا پڑتا ہے کہ ابی کے مصحف کی بنا بھی انہی اصل صحف پر ہوگی جو حضرت زیدؓ نے جمع کیے تھے۔ یہی بات ابن مسعود کے مصحف پر بھی صادق آتی ہے اور اسکی فہرست مضامین بھی ہم تک پہنچی ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ لمبی سورتوں یعنی طوال کو پہلے رکھنے کے اصول پر ابن مسعود

نے زید سے بھی بڑھکر عمل کیا - اس کے مصحف میں پہلی سورۃ یعنی فاتحہ اور ایک سو تیرھویں اور ایک سو چودھویں سورتیں یعنی معوذتین نہیں لکھی گئیں - اس کے برخلاف ابی نے اپنے مصحف میں دو دعائیہ فقرے زیادہ لکھ رکھے تھے جن کو ہم (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سمجھ سکتے ہیں یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ اس قسم کے اختلاف ہوئے ہونگے کہ آیا ایسے دعائیہ جملے قرآن شریف کا جزو ہیں یا نہیں - ان دونوں مصحفوں کی بعض قراتیں جو مصحف عثمانی کی قرأتوں سے مختلف ہیں محفوظ رہی ہیں اور انکے پرانے اختلافات قرأت کی بھی ایک بڑی تعداد محفوظ ہو کر ہم تک پہنچی ہے - ان میں سے ایک کثیر حصہ قرأتوں کا ایسا ہے جو موجودہ قرأت سے بہت کم درجہ کا ہے لیکن بعض قرأتیں ایسی بھی ہیں جو مروجہ قرأت کے ہم پلہ ہیں اور چند ایک ایسی ہیں جنکو موجودہ قرأت پر ترجیح دیجا سکتی ہے "

لیکن اس مضمون نویس کی صحیح صحیح رائے ناظرین کے سامنے پیش کرنیکے لیے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسی جگہ سے ایک اور فقرہ کا ترجمہ بھی ہدیہ ناظرین کیا جاوے اس فقرہ میں جو منقولہ بالا فقرہ کے ساتھ ملحق ہے اور جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے وہ دلایل دیے گئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اصل قرآن شریف وہی ہے جو عثمانی مصحفوں اور انکی نقلوں میں موجود ہے - "صرف ایک ہی شخص ایسا معلوم ہوتا ہے جس نے واقعی طور پر حضرت عثمانؓ کے مصحفوں کے جاری ہونیکے وقت کچھ مخالفت کی اور یہ ابن مسعود تھا - وہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سب سے پرانے مریدین میں سے تھا - اور بہت موقعوں پر اس نے آپ کی خدمات بھی کی تھیں - لیکن اسکے خیالات کا دائرہ وسیع نہ تھا - اگرچہ وہ اسلامی مذہبی علم کلام میں ایک بڑا رکن مانا جاتا ہے پر اس کی مخالفت کا کچھ اثر نہیں ہوا - اب جب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ اس وقت بہت سے ایسے مسلمان زندہ موجود تھے جنہوں نے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے منہ سے قرآن شریف سنا ہوا تھا - اور پھر جب اس بات کو بھی دیکھتے ہیں کہ کمزور خلیفہ عثمان کی بعض دوسری تجاویز کی مذہب کے متعصب حامیان نے بڑی سخت مخالفت کی - اور کہ ان لوگوں کا مخالفانہ جوش عثمان کے بعض حریص پرانے رفیقوں کے سبب سے اور بھی تیز ہو گیا یہانتک کہ آخرکار انہوں نے خلیفہ کو قتل کر دیا - اور بالآخر اس بات پر غور کرتے ہیں کہ خلیفہ کی موت کے بعد جو خانہ جنگیاں ہوئیں ان میں مختلف فریق اس بات کی تلاش میں لگے رہتے تھے کہ کوئی ایسی وجوہ انکے ہاتھ میں آجائیں جن سے وہ اپنے مخالفین پر کفر کا فتویٰ لگا سکیں - جب ہم ان تمام باتوں پر غور کرتے ہیں تو ان سے صاف طور پر مصحف عثمانی کے اصل قرآن ہونیکا نتیجہ نکلتا ہے کیونکہ کسی فریق نے یہانتک کہ حضرت علیؓ کے فریق نے بھی اس معاملہ میں حضرت عثمانؓ پر اعتراض نہیں کیا - اور نہ اس مصحف کو چھوڑا جو زید نے تیار کیا تھا جو حضرت عثمانؓ اور انکے خاندان کا مخلص وفادار تھا "

مَیں نے یہ لمبے فقرے اس غرض سے نقل کیے ہیں تا کہ ناظرین خود اعتراض کی وقعت کو دیکھ سکیں اور معلوم کر سکیں کہ مخالفین اگر سوچ سمجھکر چلیں تو موجودہ قرآن کے اصل قرآن ہونے پر کہانتک اعتراض کر سکتے ہیں - مَیں یہ بھی کہہ چکا ہوں -

کہ اس مضمون نویس کی رائے مخالف نکتہ چینی کو عمدہ سے عمدہ پیرایہ میں بیان کرتی ہے اور اس لیے اس کی تردید سے ان تمام اعتراضوں کا قلع قمع ہو جاتا ہے جو معترضین نے کیے ہیں میرے خیال میں کیا انگریزی اور کیا اردو تحریر دل کو جہاں تک پڑھا جائے اس سے باوقعت اعتراض کوئی معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن اس بات کا ظاہر کرنا بھی ضروری ہے کہ اسلام پر بعض دیسی عیسائی صاحبان نے مجنونانہ اعتراض بھی کیے ہیں۔ یہ لوگ جو پیٹ کی خاطر عیسائی ہوتے ہیں صرف اسی بات کو اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح پادری صاحب کو خوش کریں اور اس کے لیے انہیں بہتر سے بہتر طریق یہی معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے مذاہب پر اعتراض بنائے جاویں۔ ایسی ایک تحریر کی مثال تاویل القرآن ہے جس کا مصنف قرآن کریم کی حفاظت کے دعویٰ کو سُنکر مجنون وار اعتراض شروع کر دیتا ہے اور اسکے ایک ایک لفظ سے غیظ ٹپکتا ہے وہ اس دعویٰ کو سُن بھی نہیں سکتا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ہاتھ پاؤں پر رعشہ پڑ جاتا ہے۔ اور اس غیظ میں وہ مجنونوں کی طرح بلا سوچے سمجھے لکھتا چلا جاتا ہے۔ اس کی ایمانداری کا حال مَیں پہلے بتا چکا ہوں کہ کس طرح صریح تحریف معنوں میں کرتا ہے۔ یہ شخص اپنے تاریخ قرآن کو ان الفاظ سے شروع کرتا ہے۔ "میری زندگی کی برسوں کے دن تھوڑے رہے اور برے" اور پھر تشریح دعویٰ کرتا ہوا لکھتا ہے کہ "اس امر کا کہ قرآن شریف کا کوئی بڑا حصہ ساقط ہو گیا اور جو بچ گیا وہ بدنظمی سے مرتب ہوا اکثر محققین کو اعتراف کرنا پڑا،" اور پھر اخیر پر لکھتا ہے کہ "جو قرآن اب ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے وہ اصل قرآن کا ایک ایڈیشن ہے اس وقت اس سے زیادہ بہتر اور معتبر ایڈیشن بھی موجود تھے۔ جیسے نسخہ ابوبکر یا نسخہ عبداللہ بن مسعود یا نسخہ ابی بن کعب یا نسخہ علی یا ان سب کے علاوہ کوئی اور.... حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے اہتمام سے جو نسخہ قرآن تیار ہوا تھا وہ حضرت عثمان کے نسخہ سے ضرور افضل تھا۔ گو ابن مسعود یا ابی بن کعب یا حضرت علی کے قرآنوں کی ٹکر کا نہ تھا.... ہم بھی ان سب مصاحف قرآن کی نسبت جو حضرت عثمان کے ہاتھوں شہید ہو گئے یہی کہتے ہیں کہ اگر آج کو وہ یا انکی نقول بھی ہم تک پہنچتی تو ان سب سے بہت بڑا ذخیرہ علم دین کا حاصل ہوتا ایسا کہ جس کے مقابل صحیفہ عثمانی دریا کے مقابل گڑھا متصور ہوتا۔" اور پھر ایک دوسری جگہ یہی شخص یوں بڑ ہانکتا ہے "یہ بالکل مبالغہ نہیں کہ جو بدنظمی و بے احتیاطی قرآن کے حق میں ابتدائً سرزد ہوئی۔ دنیا میں کسی کتاب کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا گیا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ گو وہ صحیفہ قرآن جو حضرت عثمان نے جمع کرایا ہم تک بے کم و کاست پہنچا۔ مگر وہ قرآن جو آنحضرت ؐ چھوڑ گئے گم ہو گیا۔ اور یہ جو باقی ہے صرف اُسکی یادگار ہے کچھ بے ترتیب حصص جو اپنی قسمت سے بچ رہے۔" اور پھر ایک جگہ سبعۃ احرف کی بحث کرتا ہوا لکھتا ہے "پس ہم کو یہ ماننا پڑا کہ وہ قرآن جو حضرت پر نازل ہوا وہ ہفتگانہ قرآن تھا۔ اور لفظ قرآن کا اطلاق حقیقت میں ان ساتوں حروف کے مجموعہ پر ہوتا تھا۔ اور اب جو قرآن موجود ہے یعنی صحیفہ عثمانی وہ زیادہ سے زیادہ صرف کسی ایک حرف پر مشتمل ہے اور اس لیے اگر بہت رعایت کریں تو اسکو

صرف ایک ساتواں حصّہ سالم قرآن اصلی کا کہہ سکتے ہیں؟" ایسے شخص کا جواب صرف یہی کافی ہے کہ وہ معترضین جن کی مخالفت کیحالت اس مصنف کی طرح جنون کی حد تک نہیں پہنچ گئی وہ خود اس کے ان تمام لایعنی دعووں اور مجنونانہ بڑوں پر لعنت بھیجتے ہیں اور یہ گواہی دیتے ہیں جیساکہ میور نے اور انسکلوپیڈیا برٹینیکا کے مضمون نویس نے دی کہ جس حفاظت سے قرآن کریم ہم تک پہنچا ہے اس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی اور کہ تمام واقعات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اصل قرآن وہی ہے جو آج ہمارے ہاتھوں میں ہے اور جو مصحف ہائے عثمانی کی نقل ہے۔ اور کہ مصحف عثمانی ہی اصل قرآن تھا۔ اور اس میں کسی قسم کی کمی بیشی یا تغیر تبدل نہیں ہوا۔

اب ہم اصل اعتراض کی طرف واپس آتے ہیں۔ اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ ابن مسعود اور ابی بن کعب کے مصحف بلحاظ ترتیب اور بلحاظ عبارتوں کے عام طور پر مصحف عثمانی کے مطابق ہی تھے۔ اور یہ مطابقت یہانتک تھی کہ راقم مضمون اس نتیجہ تک پہنچتا ہے کہ ابن مسعودؓ اور ابیؓ نے اپنے مصحف ان صحف کی بنا پر تیار کیے تھے جو زیدؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے وقت میں جمع کیے تھے۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ قرآن کریم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ہی جمع ہو چکا تھا اور اسی بنا پر ابن مسعود یا ابی بن کعب یا زید کے مجموعے تیار ہوئے تھے۔ یہی وجہ انکی مطابقت کی تھی کیونکہ وہ سب ایک ہی سرچشمہ سے لیے گئے تھے ہاں فرق صرف اسقدر تھا کہ حضرت زیدؓ نے جو صحف میں قرآن شریف کو جمع کیا تو اس میں حد درجہ کی احتیاط سے کام لیا گیا اور تمام اصل تحریریں اکٹھی کی گئیں۔ اور تمام صحابہؓ کے اتفاق اور مشورہ سے یہ جمع وقوع میں آئی لیکن ابن مسعودؓ اور ابی بن کعبؓ کی کوششیں صرف ذاتی تھیں اس لیے انکا کسی موقعہ پر غلطی کھاجانا بھی ممکن تھا۔ بہرحال جو اختلاف ان مصحفوں کو مصحف عثمانی سے بتائے جاتے ہیں وہ صرف دو قسم کے تھے۔ یعنی اوّل یہ کہ ابن مسعودؓ کے مصحف میں معوذتین اور فاتحہ قرآن کریم کے اندر نہ لکھی گئی تھیں اور ابیؓ کے مصحف میں دو دعائیہ فقرے زاید لکھے ہوئے تھے۔ اور دوم کچھ قرأتوں کا اختلاف تھا۔ لہٰذا میں ان دو اختلافوں کی حقیقت پر غور کرونگا۔ اور تاویل القرآن کے مصنف کے بے سروپا اور لایعنی دعوے اس قابل نہیں ہیں کہ انکی طرف توجہ بھی کیجاوے اور خود اس کے ہم مذہبوں کی تحریریں اسکے مجنونانہ دعووں پر نفرین بھیجتی ہیں۔ حضرت عثمانؓ کے مصحف صرف صحف ابی بکر کی نقل تھے۔ اور نقل کرنیوالے بھی خود وہی حضرت زیدؓ تھے جنھوں نے حضرت ابوبکرؓ کے وقت صحف کو جمع کیا تھا۔ اور حضرت علیؓ کے مصحف کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے وہ بھی واقعات کے سامنے باطل ثابت ہوتا ہے اگر حضرت علیؓ کے پاس ایسا کوئی مصحف تھا تو کیوں کبھی اسکی اشاعت نہ ہوئی بالفرض اگر حضرت عثمانؓ مانع ہوئے تھے تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے وقت میں کون مانع ہوا تھا۔ اور کم از کم یہ تو ضرور تھا کہ اگر اور کبھی موقعہ اس کی اشاعت کا نہ ملا تھا تو حضرت علیؓ اپنی خلافت میں ہی اسکو شایع کرتے اور دنیا میں پھیلاتے۔ اور عجیب تر یہ کہ حضرت عثمانؓ

کے وقت میں مصحف نقل کرانے میں خود حضرت علیؓ بھی مددگار ہوئے اور اپنے مصحف کا کبھی نام تک نہ لیا۔

ہمارے سامنے اب اس اعتراض کے متعلق یہ سوالات حل طلب ہیں۔ کیا ابیؓ اور ابن مسعودؓ کے پاس اپنے اپنے مصحف الگ تھے۔ کیا انکا مصحف عثمانی سے کوئی اختلاف تعداد سور اور قراٗتوں میں تھا اور اگر تھا تو کس قدر۔ پہلو ابی کو لو۔ کوئی معتبر حدیث ایسی نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہو کہ ابی کا مصحف الگ تھا جسکا مروجہ قرآن سے اختلاف تھا یا یہ کہ اس مصحف میں علاوہ قرآن شریف کی ایک سو چودہ سورتوں کے دو دعائیہ جملے اخیر پر زاید لکھے ہوئے تھے۔ ایسی احادیث جلال الدین سیوطی کی اتقان میں ملتی ہیں۔ اور اس لیے سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ سیوطی کی احادیث پر ہم کہاں تک اعتبار کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے میں ناظرین کو شاہ عبد العزیز دہلوی کے عجالۂ نافعہ کا حوالہ دیتا ہوں جو اصول علم حدیث پر ایک مختصر سا مگر نہایت قیمتی رسالہ ہے۔ شاہ صاحب نے احادیث کو چار طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔ طبقہ اوّل میں جو سب سے زیادہ معتبر ہے وہ موطا امام مالک اور بخاری اور مسلم کو رکھتے ہیں۔ دوسرے طبقہ میں ابو داؤد ترمذی اور نسائی کو رکھا ہے۔ اور انکو بلحاظ اعتبار کے طبقہ اوّل سے کم درجہ کی تسلیم کیا گیا ہے۔ تیسرے طبقہ میں ایسی کتابیں رکھی گئی ہیں جن کی عام طور پر قبولیت نہیں ہوئی اور نہ ایسی احادیث کو محض ان کتابوں میں ذکر کیا جانیکی وجہ سے قابل سند مانا گیا ہے بلکہ ان میں ایسی روایتیں بھی ہیں جنکو راویوں کے ثقہ ہونے پر اور انکی راستگوئی پر بڑی جرح ہوئی ہے۔ اس طبقہ میں احادیث کی ایسی کتابیں جیسے طبرانی۔ طحاوی۔ بیہقی۔ مستدرک حاکم۔ مسند ابن ماجہ۔ مسند دارمی اور اور چند کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ سب سے آخری طبقہ احادیث کا چوتھا طبقہ ہے۔ جس کے متعلق شاہ صاحب یوں لکھتے ہیں۔

طبقہ رابعہ۔ احادیثے کہ نام و نشان انہا در قرون سابقہ معلوم نبود و متاخراں انہا را روایت کردہ اند پس حال انہا از دو شق خالی نیست یا سلف تفحص کردند و انہا را اصلی نیافتہ اند تا مشغول بروایت انہا مے شدند یا یافتند و در انہا قدحے و علتے دیدند کہ باعث شد ہمہ انہا را بر ترک روایت انہا۔ و علی کل تقدیر ایں احادیث قابل اعتماد نیستند .... و مایہ تصانیف شیخ جلال الدین سیوطی در رسائل و نوادر خود ہمیں کتابہا است۔ یعنی چوتھے طبقہ کی حدیثیں وہ ہیں جن کا پہلے زمانوں میں کہیں نام و نشان بھی نہیں پایا جاتا اور متاخرین نے ہی انکو روایت کیا ہے پس ایسی حدیثیں دو حال سے خالی نہیں ہیں۔ یا تو پہلے لوگوں نے خوب تحقیق کی اور ان حدیثوں کو اصلی نہ پایا اس لیے انکی روایت نہ کی یا اگر انہوں نے انکو پایا تو ان میں ایسی قدح اور علت دیکھی کہ سب کے سب نے ان روایتوں کو چھوڑ دیا دونوں صورتوں میں یہ احادیث قابل اعتبار نہیں ہیں .... اور شیخ جلال الدین سیوطی کی تصنیفوں کی کُل پونجی اپنے رسالوں اور نوادر میں اسی قسم کی کتابیں ہیں۔

پس اول تو اسی سے قیاس کر لینا چاہیئے کہ اتقان کی حدیثوں پر کہانتک اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ یہ حدیثیں محققین کے نزدیک بالکل ناقابل اعتبار ہیں اور یا تو محض وضعی ہیں یا ایسی کمزور اور ناقابل اعتبار کہ کسی محدث نے انکی روایت کو نہیں لیا۔ اب ایک اور امر قابل ذکر ہے۔ اور وہ یہ کہ نہ صرف ان احادیث کو اعلیٰ طبقہ کی احادیث سے کچھ تائید نہیں ملتی بلکہ تردید ہوتی ہے۔ ہم دکھا چکے ہیں کہ احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابی بن کعب بھی اس کمیٹی میں تھے جس کے سپرد حضرت عثمانؓ نے مصحفوں کا نقل کرانا کیا تھا۔ بعض اور احادیث ایسی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے وقت میں بھی ابی بن کعب نے جمع قرآن کے کام میں مدد دی۔ لیکن اگر بفرض محال اس بات کو بھی تسلیم کر لیا جائے کہ ابی کے پاس ایک الگ مصحف بھی تھا جس میں انہوں نے علاوہ قرآن شریف کی سورتوں کے دو دعائیہ جملے بھی لکھے ہوئے تھے تو اس سے یہ کیونکر ثابت ہوا کہ وہ دعائیہ جملے فی الواقع جزو قرآن شریف تھے بلکہ اس سے تو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ابی بن کعب انکو قرآن شریف کی دو سورتیں سمجھتے تھے۔ اور اگر ابی کا یہ خیال بھی ہو تو بھی اس سے مصحف عثمانی پر کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوتا۔ ہزارہا صحابہؓ کی متفقہ شہادت ایک طرف اور ابی کا خیال ایک طرف۔ قبل اس کے جو ابی کے اس خیال کو مصحف عثمانی پر حملہ کرنیکے لیے پیش کیا جاوے ان صحابہؓ کا نام تو معترضین کو لینا چاہیئے جنہوں نے ابی کے اس خیال کی تائید کی۔ ابن مسعودؓ جن کے خیالات بعض امور کی نسبت اجماع صحابہؓ سے الگ تھے وہ بھی ابی کی تائید نہیں کرتے اور ان دو جملوں کو قرآن کریم کا جزو قرار نہیں دیتے۔ اب اگر ایک شخص تحقیق کر کے اعتراض کرتا تو اسے تو یہ لازم تھا کہ پہلے وہ شہادت کا وزن کرتا اور پھر دیکھتا کہ آیا اعتراض کی صورت بھی بنتی ہے۔ قرآن کریم کوئی ایک یا دو شخصوں کی جائداد تو تھی نہیں کہ جو کچھ وہ کہدیں وہی صحیح تسلیم کر لیا جائے اور یہ خیال کر لیا جائے کہ باقی صحابہؓ کو کوئی علم ہی نہ تھا۔ یہ کیونکر ممکن تھا کہ صرف ایک ابی کو یہ معلوم ہوتا کہ فلاں دو دعائیہ جملے قرآن شریف کا جزو ہیں اور باقی ہزارہا صحابی اس سے بالکل بے خبر رہتے اور انکے کانوں تک یہ بات ہی کبھی نہ پہنچتی۔ قرآن کریم کی ہر ایک آیت اس کے نزول کے وقت دشمنوں اور دوستوں کے درمیان کثرت سے شایع ہو جاتی تھی۔ اب ایک شخص سے ایک غلطی بھی ہو سکتی تھی جس کی اصلاح ہزارہا دوسرے شخصوں کی شہادت سے ہو سکتی تھی۔ بلکہ یہ ایک خصوصیت قرآن کریم کو حاصل ہے کہ اس کی ہر ایک آیت ہزارہا لوگوں کے سینوں میں فی الفور محفوظ ہو جاتی تھی۔ اور اسطرح پر قرآن شریف کا محافظ کوئی فرد واحد نہ تھا۔ بلکہ ہزارہا محافظ تھے۔ اور ایک آدمی کی غلطی کی اصلاح دوسروں کی شہادت سے فی الفور ہو سکتی تھی۔ پس تمام صحابہؓ کی متفقہ شہادت ہی ایک ایسا امر ہے جو غلطی کرنے سے بچا سکتا ہے۔ اب اگر مصحف عثمان اور مصحف ابی میں کوئی اختلاف تھا تو اس کی صورت یہ نہ تھی کہ حضرت عثمان ایک بات کہتے ہوں اور ابی اس کے مخالف کوئی دوسری بات کہتے ہوں بلکہ یہ اختلاف ابی کا تمام جماعت صحابہؓ سے تھا۔ حتیٰ کہ ابن مسعودؓ سے بھی

اختلاف تھا۔ پس ایسی صورت میں کسی معترض کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ یہ کہدے کہ ممکن ہے کہ حق ابی کے ساتھ ہو یعنی ابی کی بات سچی ہو۔ کیونکہ ابی کی رائے اکیلی تھی اور اس کے خلاف تمام صحابہؓ کی متفقہ شہادت تھی پس جبکہ یہ بھی ثابت ہے کہ ہر ایک آیت نازل ہونیکے وقت عام طور پر شایع ہو جاتی تھی۔ اور دوسری طرف ابی کے خیال کا مؤید صحابہؓ میں سے ایک آدمی بھی نہیں ملتا بلکہ وہ کھلے طور پر ابی کی بات کو غلط قرار دیتے ہیں تو یہ ماننا پڑیگا کہ ابی غلطی پر تھا کیونکہ یہ تو قرین قیاس ہے کہ ایک شخص سے غلطی ہو جائے اور دوسرے اسکی اصلاح کر دیں مگر یہ ممکن نہیں کہ قرآن شریف کا کوئی حصہ نازل ہوا ور اس کا علم سوائے ابی کے اور ایک صحابی کو بھی نہ ہو۔ یہ سب باتیں اس روایت کو جو اتقان میں موجود ہے قابل اعتبار فرض کر کے لکھی گئی ہیں۔ اور در اصل جیسا کہ میں دکھا چکا ہوں یہ روایت ہرگز قابل اعتبار نہیں ہے۔

اب ہم ایک اور پہلو سے اسی معاملہ پر نظر کرتے ہیں۔ اتقان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو جملے جن کو حفد۔ اور خلع کی سورتوں کے نام سے نامزد کیا گیا ہے دعائے قنوت کے دو حصے ہیں۔ اور اسطرح پر ہیں۔ فقرہ اوّل۔ اللّٰھم انا نستعینك و نستغفرك و نثنی علیك الخیر و نخلع و نترك من یفجرك۔ فقرہ دوم۔ اللّٰھم ایاك نعبد و لك نصلی و نسجد و الیك نسعی و نحفد و نرجو رحمتك و نخشی عذابك ان عذابك بالکفار ملحق۔ ترجمہ فقرہ اوّل کا یہ ہے۔ اے اللہ ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں اور تیری ہی حفاظت طلب کرتے ہیں اور تیری نیک ثنا کرتے ہیں اور جو شخص تیری نافرمانی کرتا ہے ہم اس سے بیزاری ظاہر کرتے اور اسے چھوڑتے ہیں۔ اور دوسرے فقرہ کا ترجمہ یہ ہے اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیرے ہی لیئے نماز پڑھتے اور سجدہ کرتے ہیں اور تیری طرف ہی بھاگ کر آتے ہیں اور تیری ہی خدمت کرتے ہیں اور تیری رحمت کی امید کرتے ہیں اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں کیونکہ تیرا عذاب کافروں کو جا لگتا ہے۔

یہ وہی دعائے قنوت ہے جس کو مسلمان نماز میں پڑھتے ہیں اور یہ دعا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھائی ہوئی ہے۔ دعائے قنوت کی اور بھی بعض صورتیں صحیح احادیث میں آئی ہیں اور مندرجہ ذیل دعا بہت مشہور ہے۔ اللّٰھم اھدنی فی من ھدیت و عافنی فی من عافیت و تولنی فی من تولیت و بارك لی فیما اعطیت و قنی شر ما قضیت فانك تقضی و لا یقضی علیك انه لا یذل من والیت و لا یعز من عادیت تبارکت ربنا و تعالیت۔ مشکوٰۃ باب الوتر۔ اب یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ دعائے قنوت کی یہ دونوں صورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں مروی ہیں اور قرآن کریم سے انکو کوئی تعلق نہیں ہے۔ مسلمانوں میں سے کیا سابقین اور کیا متاخرین سب دعائے قنوت کو پڑھتے رہے ہیں جسطرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا انکو سکھائی تھی۔ پس صحابہؓ کے

علم کی حد صرف اسی بات تک نہ تھی کہ دعائیہ جملے جنکو ابی بموجب روایت اتقان اپنے مصحف میں شامل کرتے تھے۔ انکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی قرآن کا حصّہ بتا کر نہیں سکھائے تھے بلکہ انکو یہ بھی علم تھا کہ یہ دعائیہ جملے انکو سکھائے بھی گئے ہیں مگر انکو جزو قرآن قرار نہیں دیا گیا اس طرح پر صحابہؓ کی شہادت برخلاف ابی کے صرف لاعلمی کی شہادت ہی نہ تھی کہ وہ۔ کہتے ہوں ہمیں کبھی یہ جملے سکھائے ہی نہیں گئے بلکہ انکی شہادت یہ تھی کہ یہ جملے تو ہمیں سکھائے گئے ہیں مگر ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ قرآن کا جزو نہیں اسی لیے صحابہؓ میں سے کسی نے ابی کی بات کی تائید نہیں کی بلکہ احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس دعاء القنوت کو پڑھا اور اپنے صحابہؓ کو بھی سکھایا مگر کبھی اسکو جزو قرآن نہیں کہا۔ ممکن ہے کہ ابی کو صرف اس بات سے غلطی لگی ہو کہ یہ جملے نماز میں پڑھے جاتے ہیں مگر اصل بات یہ ہے کہ اور بھی بہت سارے دعائیہ جملے نماز میں پڑھے جاتے تھے جو جزو قرآن نہیں تھے۔ اور یہ جملے بھی قرآن شریف کی آیات کی طرح فاتحہ کے بعد نہ پڑھے جاتے تھے اور نہ کبھی اسبات کو کافی سمجھا گیا کہ سورۃ فاتحہ کے بعد آیات قرآنی پڑھنے کی بجائے انہی دو جملوں کو پڑھ لیا جائے۔ پس اگر ابی نے ان دعائیہ جملوں کو مصحف میں لکھا یا قرآن کریم کا حصّہ سمجھا تو یہ محض انکا خیال تھا اور غلط خیال تھا اور ہزارہا صحابہؓ کی قطعی شہادت اس کے خلاف بتاتی ہے کہ یہ جملے جزو قرآن ہرگز نہیں تھے کیونکہ اوّل تو حضرت ابوبکر کے وقت جمع قرآن میں کل صحابہؓ اس کام میں شامل تھے۔ اور وہ جمع کسی ایک آدھ آدمی کی رائے سے نہیں ہوئی پھر جب حضرت عثمانؓ نے اسی قرآن کریم سے نئے نسخے لکھوائے تو اس وقت بھی نقل کے اہتمام میں بہت سے صحابہؓ شامل تھے علاوہ ازیں کسی صحابی سے کوئی روایت نہیں پائی جاتی کہ یہ قرآن شریف کا جزو ہیں اور مصحف عثمانی میں یہ نقص رہ گیا ہے کہ انکو داخل نہیں کیا گیا۔ بلکہ اگر ابی کا کوئی اختلاف تھا تو انہوں نے خود حضرت عثمان کے ساتھ انہی نقلوں کے اہتمام میں شامل ہو کر اپنی غلطی کو تسلیم کیا کیونکہ کہیں سے ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے اس بات پر زور دیا ہو کہ یہ فقرے بھی مصحف کے اندر لکھے جانے چاہئیں اور بموجب ایسی ہی روایات کے آخر اپنا مصحف حوالہ حضرت عثمانؓ کر کے حضرت عثمانؓ کے مصحف کی صحت کو قبول کیا۔ میں نہیں سمجھتا اس سے بڑھکر اور واضح تر شہادت مصحف عثمانی کی صحت کی کیا ہو سکتی ہے۔

اختلاف قرأت کے سوال کو میں بالفعل چھوڑتا ہوں کیونکہ یہ مضمون لمبا ہے اور الگ عنوان کے نیچے بحث چاہتا ہے چنانچہ اسپر اگلے رسالہ میں بحث آئیگی۔ اور اب ہم ان اختلافات پر غور کرتے ہیں جو ابن مسعود کی طرف منسوب کیے گئے ہیں یعنی یہ کہ وہ معوذتین کو اپنے مصحف میں نہ لکھتے تھے۔ اس کے متعلق بخاری میں حسب ذیل حدیث کتاب تفسیر میں آئی ہے۔ عن زر قال سالت ابی بن کعب قلت ابا المنذر ان اخاك ابن مسعود یقول کذا و کذا۔ فقال ابی سالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لی قیل لی فقلت قال نحن نقول کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور اسی کی دوسری روایت یوں ہے۔ عن زر

بن جیش قال سالت ابی بن کعب عن المعوذتین فقال سالت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال قیل لی فقلت فنحن نقول کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس حدیث کے الفاظ میں کچھ ابہام ہے۔ ترجمہ اس کا یوں ہے کہ زر کہتے ہیں میں نے ابی بن کعب سے پوچھا کہ ابن مسعود معوذتین کے بارہ میں ایسا ایسا کہتے ہیں انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آپ نے فرمایا مجھے ایسا ہی کہا گیا ہے سو میں نے بتا دیا انہوں نے کہا پس ہم وہی کہتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا۔ اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ابن مسعود معوذتین کے بارہ میں کیا کہتے تھے آیا واقعی اپنے مصحف میں نہ لکھتے تھے اور اگر نہ لکھتے تھے تو کس وجہ سے کیونکہ ممکن ہے وہ اسے کلام الٰہی سمجھتے ہوں مگر یہ کہتے ہوں کہ انکا لکھنا قرآن شریف میں ثابت نہیں یا اور کچھ کہتے ہوں بہرحال حدیث کے الفاظ میں تصریح نہیں۔ ہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا جواب ابی بن کعب نے یہ دیا کہ انہوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معوذتین کے متعلق دریافت کیا تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب کیا تھا یہ اسی سے معلوم ہو جائیگا کہ ابی ان سورتوں کو قرآن شریف کا جزو سمجھتے اور مصحف میں لکھتے تھے۔ پس یہی جواب انکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ملا تھا۔ ظاہر الفاظ حدیث کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ دونوں سورتیں اسی طرح وحی کی گئی ہیں۔ پس میں نے اس وحی کو لوگوں تک پہنچا دیا۔ مگر بعض دوسری احادیث سے جو کم پایہ کی ہیں یعنی بلحاظ اعتبار کے وہ اس قابل نہیں کہ ہم انکی صحت پر وثوق کر سکیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن مسعود اپنے مصحف میں ان سورتوں کو لکھتے نہ تھے چنانچہ ایک روایت احمد کی ہے ان عبد اللہ بن مسعود کان لا یکتب المعوذتین فی مصحفہ اور ایک اور روایت ان الفاظ میں ہے کان عبد اللہ بن مسعود یحک المعوذتین عن مصاحفہ ویقول انہما لیستا من کتاب اللہ۔ یعنی عبد اللہ بن مسعود معوذتین کو اپنے مصاحف سے کھرچ ڈالتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ کتاب اللہ میں سے نہیں ہیں۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو معلوم ہوا کہ عبد اللہ بن مسعود کا یہ خیال بعد کا تھا کیونکہ وہ لکھے ہوئے کو کھرچتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ فعل انکا کسی علم کی بنا پر نہ تھا بلکہ اجتہاد کی بنا پر تھا۔ بہرحال کسی دوسرے صحابی نے انکے اس فعل کی تائید نہیں کی۔ جیسا کہ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے قال البزار ولم یتابع ابن مسعود علی ذلک احد من الصحابۃ وقد صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قرأ ہما فی الصلوٰۃ۔ بزار کہتے ہیں کہ ایک بھی صحابی نے ابن مسعود کی اس بات میں پیروی نہیں کی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ نے معوذتین کو نماز میں پڑھا۔ صرف اسیقدر نہیں کہ دوسرے صحابہؓ نے ابن مسعود کی بات کی تائید نہیں کی بلکہ خود ابی نے ہی انکی مخالفت کی اور اپنے علم کی بنا پر یہ فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو جزو قرآن ہی بتایا۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ دو ہی آدمی ایسے بتائے جاتے ہیں جن کے مصاحف میں کسی اختلاف کا ذکر بعض روایات میں موجود ہے اور

وہ دونوں ایسے ہیں کہ نہ صرف ایک دوسرے کی تائید نہیں کرتے بلکہ ایک دوسرے کی مخالفت میں انکی رائے عام رائے صحابہؓ کے موافق ہے اور مصحف عثمانی کو صحیح قرار دیتی ہے ابی دعائے قنوت کو قرآن میں لکھتے ہیں تو ابن مسعودؓ باقی صحابہؓ کے ساتھ انہیں غلطی پر قرار دیتے ہیں۔ ابن مسعود معوذتین کو قرآن میں نہیں لکھتے تو ابی دوسرے صحابہؓ کے ساتھ انہیں غلطی پر قرار دیتے ہیں۔ پس ایک اکیلے آدمی کی رائے ہزارہا آدمیوں کی متفقہ شہادت کے خلاف جو علم کی بنا پر مبنی ہے کیا وقعت رکھتی ہے۔

بہت سی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کثرت سے صحابہؓ صحیح علم اسبات کا رکھتے تھے کہ معوذتین قرآن کریم کا حصہ ہیں اور یہ علم انکا بلا واسطہ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم سے تھا۔ ابی کی شہادت کا اوپر ذکر ہو چکا اور بھی بہت سے صحابیوں سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار ان سورتوں کو نماز میں پڑھا دعائیہ جملوں کے طور پر نہیں بلکہ قرأت کے طور پر۔ یعنی بجائے کوئی اور حصہ قرآن کا پڑھنے کے انہیں سورتوں کو پڑھا۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ جو دعائیہ جملے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں پڑھا کرتے تھے جیسے دعاء القنوت وہ قرأت کی بجائے نہ ہوتے تھے مگر معوذتین کو قرأت کے طور پر پڑھا۔ اور یہی صحابہؓ کو سکھایا چنانچہ کئی صحابیوں کی شہادت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود انکو ہدایت فرمائی کہ انکو نماز میں پڑھا کرو چنانچہ ایک صحابی سے روایت ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اقرأہ المعوذتین وقال لہ اذا انت صلیت فاقرأھما۔ اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ ابن مسعود کو کیا غلطی لگی۔ اصل میں بات یہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں قل اعوذ برب سے شروع ہوتی ہیں دوسری طرف قرآن شریف میں یہ حکم ہے اذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ۔ یعنی جب تو قرآن شریف پڑھے تو اللہ کے نام کے ساتھ پناہ مانگ۔ ادھر ان دونوں سورتوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کسطرح پناہ مانگنی چاہیئے۔ ابن مسعود نے یہ خیال کیا کہ اس کلام میں صرف وہ طریق سکھایا گیا ہے جسطرح پناہ مانگنی چاہیئے۔ یہ خیال ہی خیال نہیں بلکہ ایک روایت میں ابن مسعود کے یہ الفاظ موجود ہیں انما امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یتعوذ بھما یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا کہ انکے ساتھ پناہ مانگی جاوے۔ جس سے انہوں نے یہ خیال کر لیا کہ یہ قرآن کریم کا جزو نہیں بلکہ پناہ مانگنے کا طریق سکھاتی ہیں۔ حالانکہ آنحضرتؐ کے اس حکم کا کہ ان کے ساتھ پناہ مانگی جاوے یہ نتیجہ نہیں نکلتا تھا کہ وہ خدا کا کلام یعنی جزو قرآن نہیں ہیں۔ اس سے حضرت ابن مسعود کی غلطی کا صاف پتہ لگتا ہے۔ قاضی ابو بکر باقلانی نے ابن مسعود کے اس فعل کی تشریح یوں کی ہے اور اسی کی تائید قاضی عیاض نے بھی کی ہے۔ کہ ابن مسعود نے انکے جزو قرآن ہونے سے انکار نہیں کیا بلکہ صرف یہی کہا کہ انکو قرآن کریم کے اندر نہ لکھا جاوے جسکی وجہ شاید یہ ہو کہ انہیں آنحضرت سے انکا لکھنا ثابت نہ ہوا ہو۔ خواہ کچھ ہی صورت ہو اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ابن مسعود کے اس خیال کی ایک بھی صحابی نے تائید نہیں کی اور اس لیے چونکہ صحابہ کی متفقہ

شہادت اس کی رائے کے خلاف ہے اس لیے تاریخی طور پر بھی ہمیں اس کے خیال کو قطعاً غلط ٹھہرانا پڑتا ہے۔ اور یہ اعتراض کہ وہ فاتحہ کو بھی اپنے مصحف میں نہ لکھتے تھے اس سے بھی زیادہ کمزور ہے کیونکہ کسی معتبر حدیث سے اسکا کچھ بھی پتہ نہیں لگتا صرف چوتھے طبقہ کی احادیث میں سے جنکا ذکر اوپر ہوا ایک حدیث اس بات کو بیان کرتی ہے۔ جس کا ذکر جلال الدین سیوطی نے اتقان میں کیا ہے اس حدیث میں جو واقعہ ابن مسعود کی طرف منسوب کیا گیا ہے اگر وہ صحیح ہے تو اسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ سورہ فاتحہ کو تمام قرآن کے لیے بطور خلاصہ سمجھا جاتا تھا۔ شاید اسی وجہ پر انہوں نے قرآن کے اندر اسے نہ لکھا ہو۔ یا وہ یہ سمجھتے ہوں کہ جس طرح معوذتین صرف قرآن کے ختم کرنیکے لیے ہیں فاتحہ اس کے شروع کرنیکے لیے ہے اور انہیں قرآن کے اندر لکھنے کی ضرورت نہیں۔ بہر حال ایک آدمی کے محض خیال کو ہزارہا آدمیوں کی متفقہ شہادت کے خلاف جو وزن دیا جا سکتا ہے وہی ابن مسعودؓ کی ان باتوں کو صحابہؓ کے اتفاق کے مقابل دینا ہوگا۔ اختلاف قرأت کا سوال جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں الگ حل کیا جاوے گا۔

تیسرا اعتراض صرف ایک وہم ہی وہم ہے۔ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء تھا اسی کے مطابق آپ کاتبان وحی سے لکھواتے اور اسی کے مطابق حافظان قرآن حفظ کرتے۔ اگر جمع قرآن صرف تنہا زیدؓ کا ہی کام ہوتا۔ اور اس میں دوسرے صحابہؓ اس کے معاون نہ ہوتے تو ایسے شکوک کے لیے جگہ مل سکتی تھی کہ ممکن ہے زید سے بعض فقرات رہ گئے ہوں یا بعض فقرات ایسے انہوں نے درج کر دیے ہوں جن کو قرآن شریف میں شامل کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء نہ تھا۔ لیکن جیسا کہ بہت سی احادیث کی متفقہ شہادت سے جو مختلف سلسلہ رواۃ سے ہم کو پہنچی ہیں ثابت ہوتا ہے زید کے معاون جمع قرآن کے کام میں کل صحابہؓ تھے جنہوں نے قرآن شریف کو لکھا ہوا تھا وہ اپنے اپنے لکھے ہوئے کاغذ لیکر حاضر ہوئے اور جنہوں نے حفظ کیا ہوا تھا انکے حافظوں سے مدد لی گئی حضرت ابوبکرؓ کے وقت میں بھی صحابہؓ کا جمع قرآن کے کام میں زید کے ساتھ شامل ہونا ثابت ہے۔ اور حضرت عثمانؓ کیوقت میں جب نسخے لکھے گئے اسوقت بھی دیگر صحابہ کا زید کے ساتھ شامل ہونا ثابت ہے، پس اس صورت میں جبکہ ابھی بہت سے لوگ ان صحابہؓ میں سے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قرآن شریف کو حفظ کر لیا تھا زندہ تھے۔ یہ بالکل ناممکن تھا کہ کچھ فقرات جو اصل میں قرآن شریف میں شامل تھے غلطی سے شامل ہونے سے رہ جاتے یا بعض فقرات ایسے شامل ہو جاتے جن کے شامل کرنیکا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دیا تھا۔ ایسی غلطی کا ارتکاب اکیلے آدمی سے ہو سکتا تھا۔ مگر جہاں ایک طرف حفاظ موجود ہوں دوسری طرف کل کی کل تحریریں اکٹھی کی گئی ہوں اور پھر وہ صحابہؓ جو دن رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن شریف سنتے تھے، وہ موجود ہوں وہاں ایسی غلطی کا ارتکاب ناممکن ہے۔ کیونکہ جو غلطی ایک شخص کرتا اسکی اصلاح دوسرے کر سکتے تھے۔ ہم اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ ایک آدھ صحابی سے کوئی غلطی ہو سکتی تھی بلکہ ہم اس بات کو لکھ چکے ہیں کہ اگر ابی اور ابن مسعود کی مصاحف والی روایتیں

درست ہیں تو ان بزرگوں سے بعض غلطیاں ہو جانیکی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے اپنی ہی رائے کے مطابق سب کام کیا۔ مگر ہم جس بات پر زور دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ زید کی جمع اور پھر نسخ مصاحف کے وقت ایسی امکانی غلطیوں کی اصلاح کے اتنے بڑے ذرایع موجود تھے کہ غلطی کا امکان بھی باقی نہیں رہتا۔ چہ جائیکہ اسکا وقوع ثابت ہو۔ زید نے بڑی محنت سے قرآن شریف کو جمع کیا جو کامل سورتیں نازل ہوئی تھیں انکو سورۃ سورۃ کر کے جمع کیا اور جہاں متفرق آیتیں نازل ہوئی تھیں ایک ایک آیت کر کے تلاش کیا اور پھر ان تمام تحریروں پر تائیدی شہادت حافظان قرآن کی موجود تھی۔ اگر خالی تحریر کا ہی اعتبار کیا جاتا تو کہا جاسکتا تھا کہ کوئی آیت رہ گئی ہوگی مگر وہاں حافظان قرآن بھی سینہ جمع تھے اور یہ وہ لوگ تھے جو سارا قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور آپکے سامنے حفظ کر چکے تھے۔ اور اس لیے زید خوب جانتے تھے کہ کس حصہ یا کس آیت کی تلاش ابھی کرنی چاہیئے۔ چنانچہ جمع قرآن کے بارہ میں جو حدیث آئی ہے اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہاں زید کہتے ہیں فلاں آیت کو میں نے تلاش کیا یہانتک کہ اسے فلاں شخص کے پاس پایا۔ یعنی آیت کا علم تھا اور تحریر کو تلاش کیا یہانتک کہ تحریر بھی مل گئی۔ پھر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ایک یا دو حافظوں پر ہی سارا اعتبار نہیں کیا بلکہ کل کے کل کو جمع کیا۔ ممکن تھا کہ ایک حافظ سے کہیں غلطی ہو جائے مگر اسکی اصلاح دوسرے فی الفور کر سکتے تھے۔ اور اس کے ساتھ ہی ایسی غلطی کی اصلاح کا دوسرا ذریعہ تحریر تھی کیونکہ ہر ایک آیت بعد نزول فی الفور ضبط تحریر میں بھی لائی جاتی تھی۔ یہ ایسا پختہ انتظام تھا کہ کسی غلطی کے امکان کو باقی نہیں چھوڑتا کیونکہ باوجود ایک قسم کی قطعی شہادت کے موجود ہونیکے زید مطمئن نہ ہوتے تھے جبتک کہ دوسری قسم کی شہادت نہ ملجائے۔ حافظ کی تائید تحریر سے اور تحریر کی حافظ سے ہوتی تھی۔ اسی دوہری شہادت کی طرف حدیث جمع قرآن میں زیدؓ اشارہ کرتے ہیں جب وہ یہ فرماتے ہیں کہ میں تحریروں اور آدمیوں کے سینوں سے قرآن شریف کو اکٹھا کرنے لگا۔ باقی رہا ناسخ منسوخ کا سوال سو اس کا اس مضمون زیر بحث سے کوئی تعلق نہیں اور چونکہ یہ ایک لمبا مضمون ہے اس لیے اس کو بھی میں الگ عنوان کے نیچے بحث کے لیے چھوڑتا ہوں لیکن جو اعتراض کیا گیا ہے اس کے جواب میں اتنا کہدینا ضروری ہے کہ اگر ہم اس بات کو فرض بھی کرلیں کہ کوئی آیت کبھی منسوخ کی گئی تو صحابہؓ اس سے بیخبر نہ ہو سکتے تھے کیونکہ جس چیز کو آپنے منسوخ کرنا ضروری سمجھا ہو اس کا اعلان اور اسکی اشاعت بھی اسی طرح کی ہوگی جس طرح کسی آیت کے نزول کی۔

اب ہم چوتھے اعتراض کی طرف آتے ہیں۔ جس میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ بعض احادیث میں ابتک قرآن کریم کے وہ فقرات محفوظ ہیں جو حضرت ابوبکر یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے وقت شامل نہیں کیے گئے۔ حالانکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جزو قرآن سمجھے جاتے اور قرآن شریف میں پڑھے جاتے تھے۔ درحقیقت یہی اعتراض سب سے بڑا اعتراض ہے۔ اور اسپر کسی قدر مفصل بحث درکار ہوگی۔ ہم اس بات سے تو انکار نہیں کرتے کہ ایسی حدیثیں موجود ہیں

مگر یہ کہتے ہیں کہ وہ قابل اعتبار ہرگز نہیں ہاں بعض مقامات پر بعض الفاظ کے معنوں کی غلط فہمی کی وجہ سے بھی اعتراض پیدا ہوئے ہیں۔ قبل اس کے کہ ان احادیث پر ہم ایک ایک کرکے بحث کریں یہاں چند عام ریمارک کرتے ہیں جو امید ہے ناظرین کو اصل بحث کے سمجھنے میں مدد دیں گے۔ قرآن شریف کی حفاظت کو ثابت کرنیکے لیے ہمیں دو باتیں ثابت کرنی ہیں اوّل یہ کہ قرآن شریف میں کوئی لفظ یا کوئی فقرہ بڑھایا نہیں گیا اور دوم یہ کہ اصل میں سے کچھ چھوڑا نہیں گیا جو موجودہ قرآن میں نہ ہو۔ ان میں سے امر اوّل کے متعلق یہ بات ثابت ہے کہ کوئی حدیث معتبر یا غیر معتبر۔ اصلی یا غیر اصلی ایسی نہیں پائی جاتی جس میں یہ دعویٰ کیا گیا ہو کہ فلاں آیات یا الفاظ جو اسوقت قرآن شریف میں پڑھے جاتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں نہ پڑھے جاتے تھے۔ سوائے اس ایک حدیث کے جس میں یہ ذکر ہے کہ ابن مسعود معوذتین کو مصحف کے اندر نہ لکھتے تھے یا لکھے ہوئے کو کھرچتے تھے۔ اس پر بحث گذر چکی ہے اور میں دکھا چکا ہوں کہ یہ ابن مسعود کی صریح غلطی تھی وہ اکیلے اس خیال میں پڑ گئے تھے حالانکہ سارے کے سارے صحابہؓ حتیٰ کہ ابی بھی اس میں انکی مخالفت کرتے تھے۔ غلطی کی بنیاد اس خیال پر تھی کہ معوذتین صرف تعوذ کے لیے ہیں اور انکو قرآن شریف کے خاتمہ پر پڑھ لینا چاہیئے۔ قرآن شریف کے اندر لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسکی مثال ایسی ہے جیسا کہ بعض لوگوں نے خیال کیا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جس سے ہر ایک سورۃ قرآن شریف کی شروع ہوتی ہے وہ صرف افتتاح کے لیے ہے اور جزو سورۃ نہیں ہے۔ ایسا ہی خیال معوذتین کے متعلق ابن مسعودؓ کا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ایک اکیلے شخص کا خیال جو وہ بھی صریح طور پر واقعات کی غلط فہمی پر مبنی ہو تمام صحابہؓ کی متفقہ شہادت کے بالمقابل کیا وقعت رکھ سکتا ہے درانحالیکہ انکی شہادت کی بنیاد قطعی اور یقینی علم پر تھی نہ ابن مسعود کی طرح محض ایک خیال یا اجتہاد پر۔ اس ایک حدیث کے سوائے اور کوئی حدیث ایسی نہیں جس میں یہ دعویٰ کیا گیا ہو کہ فلاں آیت یا سورۃ قرآن میں شامل نہ تھی اور اس امر کی تو قطعاً کوئی شہادت نہیں کہ زیدؓ یا عثمانؓ نے اپنی طرف سے کوئی آیت یا سورۃ ملا دی تھی۔ اب جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ قرآن شریف میں کچھ بڑھایا نہیں گیا تو دوسری بات کا ثابت ہونا کہ اس میں سے کچھ گھٹایا نہیں گیا نہایت آسان ہو جاتا ہے کیونکہ پہلے امر کا ثبوت بھی اس دوسرے امر کے ثبوت کا ممد ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ نہ بڑھانیکے وجوہات کیا ہوئے اگر قرآن شریف ایسی بے احتیاطی سے جمع کیا جاتا جیسا کہ مخالفین خیال کرتے ہیں کہ اس میں سے سورتوں کی سورتیں یا آیتیں رہ گئیں تو پھر اس بے احتیاطی کا اثر دوسرے پہلو پر بھی ہونا چاہیئے تھا یعنی جیسے کچھ گھٹایا گیا تھا کچھ بڑھا بھی دیا جاتا۔ یا جیسے کچھ حصص رہ گئے تھے کچھ اور بھی داخل ہو جاتے کیونکہ دونوں طرف یکساں ہی اثر ہونا چاہیئے تھا۔ مگر چونکہ قرآن شریف میں بڑھ جانیکی شہادت کسی کمزور حدیث سے بھی نہیں ملتی اس لیے یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت زیدؓ نے پرلے درجہ کی احتیاط اور تحقیق سے جمع کا کام کیا۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ جس احتیاط اور تحقیق نے قرآن شریف میں کچھ زیادتی ہو جانیسے اس کلام

پاک کو محفوظ رکھا وہی اس میں سے کم ہوجانیسے بھی اسکو محفوظ رکھنے کا ذریعہ بن گئے۔ اور اصل بات یہی ہے کہ حضرت زیدؓ اعلیٰ درجہ کی تحقیق کو کام میں لائے اور سامان حفاظت بھی سارے موجود تھے یعنی ایک طرف حافظان قرآن جن کو قرآن شریف کا ایک ایک حرف حفظ تھا اور دوسری طرف اصلی تحریریں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھی گئی تھیں۔ پس ایک طرف سامان حفاظت کا پورا پورا موجود ہونا اور دوسری طرف حضرت زیدؓ کی اسقدر احتیاط۔ یہی وہ باعث تھے کہ جن کی وجہ سے قرآن شریف میں نہ کوئی زیادتی ہوئی اور نہ ہی کوئی کمی ہوئی۔

دوسری بات جسکو میں خصوصیت سے بیان کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ حدیثوں سے استدلال کا طریق جو یورپین مصنف اختیار کر رہے ہیں بالکل غلط ہے۔ یہ لوگ عموماً اپنے نتائج کی بنیاد حدیث کی مجموعی شہادت پر نہیں رکھتے بلکہ جہاں اعتراض کرنیکی غرض ہو یا پہلے دل میں کوئی خیال بیٹھا ہوا ہو تو ایک کمزور سے کمزور حدیث بلکہ بعض وقت وضعی حدیث کو بنیاد ٹھہرا کر اسپر ایک عمارت کھڑی کر دیتے ہیں۔ خواہ اس حدیث کے خلاف معتبر احادیث میں کتنی ہی وزنی شہادت کیوں موجود نہ ہو۔ اور خواہ وہ نتیجہ جو نکالا گیا ہے حدیث کی مجموعی شہادت کی رو سے کتنا ہی لغو ثابت ہوتا ہو۔ اب جو ذخیرہ احادیث کا ہمارے سامنے موجود ہے اس میں ہر ایک قسم کی احادیث شامل ہیں اور محدثین نے شاقہ محنتوں کے ساتھ معتبر اور غیر معتبر احادیث کو الگ کرنیکی کوشش کی ہے۔ اس لیے ایک محقق یا منتقد کے لیے یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ وہ احادیث کے ملے جلے ذخیرہ میں سے ایک حدیث لیکر جو نتیجہ اس سے نکل سکے نکالے بلکہ قبل ایسا نتیجہ نکالنے کے اسکو کئی امور پر غور کرنا چاہیئے۔ احادیث کے مجموعوں میں سے وہ مجموعہ جو امام بخاری نے جمع کیا اور جو صحیح بخاری کے نام سے موسوم ہے سب سے زیادہ معتبر ہے۔ اور جہاں احادیث سے متضاد شہادت ملتی ہو یعنی بعض احادیث کی شہادت بعض کے مخالف ہو تو مامون طریق ایسی صورت میں یہ ہے کہ بخاری کی حدیث کو مقدم کیا جاوے۔ کیونکہ خود امت کا اجماع اسبات پر ہو گیا ہے کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ بخاری شریف ہے۔ پس احادیث سے شہادت لیتے وقت پہلا قاعدہ جو ایک محقق یا منتقد کو مدنظر رکھنا چاہیئے یہ ہے کہ معتبر اور غیر معتبر احادیث میں فرق کیا جاوے۔ بغیر اس قاعدہ کو مدنظر رکھنے کے ہم صحیح نتیجہ تک کبھی نہیں پہنچ سکتے۔ اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ یہاں ہم صرف اس صورت کا ذکر کر رہے ہیں جب بعض احادیث سے بعض کے مخالف شہادت پیدا ہوتی ہو۔ لیکن جہاں حدیث کا اختلاف قرآن سے ہو تو ایسی صورت میں حدیث کو رد کرنا پڑیگا۔ خواہ وہ کسی قسم کی ہو دوسرا قاعدہ جو احادیث کی شہادت کو وزن کرتے وقت مدنظر رکھنا چاہیئے۔ وہ یہ ہے۔ کہ جب احادیث ایک سی ہی معتبر یا غیر معتبر ہوں۔ تو دیکھنا چاہیئے کہ زیادہ شہادت کس طرف ہے۔ مگر سب سے ضروری اور یقینی معیار یہ ہے۔ کہ عملی تواتر کس بات کو صحیح ٹھہراتا ہے۔

اب ہم ان تین معیاروں کی رو سے ان احادیث کو پرکھیں گے۔ جو حفاظت قران کریم کے سوال کے متعلق ہیں لیکن اس سے پہلے ان احادیث کا بیان کرنا ضروری ہے جن پر اعتراضوں کی بنا رکھی گئی ہے۔ ان

احادیث کو میں تاویل القرآن سے لیتا ہوں۔ جو سخت معاندانہ رنگ میں لکھی گئی ہے۔ اور جس کے مصنف نے ایسی احادیث کی جمع کرنے میں سخت محنت اٹھائی ہے۔ اگرچہ او پہلے یہ کہا تھا۔ کہ ہم اس کتاب کے مجنونانہ دعووں کی طرف کوئی توجہ کرنا نہ لیکن تاہم اس مضمون میں ان تمام باتوں کا جواب دیدیا گیا ہے یا دیا جاویگا۔ جن کی بنا ایسے امور پر ہے۔ جو احادیث کی شہادت سے پیدا ہوں۔ خواہ ایسی احادیث معتبر ہوں یا غیر معتبر۔ احادیث پیش کردہ یہ ہیں (۱) صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ میں ابوالاسود سے یہ روایت ہے۔ کہ ابوموسیٰ اشعری نے بصرہ میں حسب ذیل الفاظ قرا کی ایک جماعت کے سامنے بیان کیے۔ انا کنا نقرأ سورۃ نشبھھا فی الطول والشدۃ ببرأۃ فانسیتھا غیر انی قد حفظت منھا۔ لوکان لابن ادم وادیان من مال۔ لابتغی وادیا ثالثا۔ ولا یملاء جوف ابن ادم الا التراب۔ وکنا نقرأ سورۃ کنا نشبھھا باحدی المسبحات فانسیتھا غیر انی قد حفظت منھا یا ایھا الذین اٰمنوا لم تقولون مالا تفعلون فتکتب شھادۃ فی اعناقکم فتسئلون عنھا یوم القیٰمۃ۔

(۲) مسلم کتاب الرضاع میں حضرت عایشہ سے حسب ذیل روایت ہے۔ عن عایشۃ انھا قالت کان فیما انزل من القراٰن عشر رضعات معلومات ثم نسخن بخمس معلومات فتوفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھی فیما یقرأ من القراٰن۔

(۳) مسلم کتاب الحدود میں حسب ذیل روایت ہے۔ عن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنھما یقول قال عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ وھو جالس علی منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ بعث محمدا صلی اللہ علیہ وسلم بالحق وانزل علیہ الکتاب فکان مما انزل اللہ علیہ اٰیۃ الرجم قرأناھا ووعیناھا وعقلناھا۔ فرجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورجمنا بعدہ فاخشی ان طال بالناس زمان ان یقول قائل ما نجد الرجم فی کتاب اللہ تعالیٰ فیضلوا بترک فریضۃ انزلہ اللہ وان الرجم فی کتاب اللہ حق علی من زنا اذا احصن من الرجال والنساء اذا قامت البینۃ اوکان الحمل او الاعتراف۔ اور ایسا ہی سنن ابی داؤد کتاب الحدود باب الرجم میں یہ روایت ہے۔ عن عبد اللہ بن عباس ان عمر یعنی ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطب فقال ...... فالرجم حق علی من زنا من الرجال والنساء اذا کان محصن اذا قامت البینۃ اوکان حمل او اعتراف وایم اللہ لولا ان یقول الناس زاد عمر فی کتاب اللہ عزوجل لکتبتھا۔

(۴) عن عایشۃ قالت کانت سورۃ الاحزاب تقرأ فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مائتی آیات فلما کتب عثمان المصاحف لم نقدر منہا الا ما ھو الآن (کتاب الاتقان جلد ۲ صفحہ ۳۰)

(۵) عن مالک ان اولھا لما سقط معہ البسملۃ فقد ثبت انھا کانت تعدل البقرۃ لطولھا
و فی مصحف ابن مسعود مائۃ و اثنتا عشرۃ سورۃ لانہ لم یکتب المعوذتین و فی مصحف
ابی ستہ عشرۃ لانہ کتب فی آخر سورتی الحفد و الخلع (اتقان جلد اول صفحہ ۸۱)

یہ وہ پانچ حدیثیں ہیں۔ جن کی نسبت یہ اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ بعض آیات یا فقرے یا سورتیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں قرآن شریف میں پڑھی جاتی تھیں۔ اس وقت قرآن شریف میں موجود نہیں۔ اب پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ آیا کوئی ایسی احادیث بھی ملتی ہیں جن سے ان احادیث کی تردید ہوتی ہو۔ اگر ایسی احادیث ملتی ہوں تو پھر دوسرا سوال یہ پیدا ہو گا کہ ان میں سے کونسی احادیث زیادہ قابل اعتبار ہیں شہادت کا وزن زیادہ تر کس طرف ہے۔ اور عملی تواتر اور سلسلہ واقعات تاریخی کونسی احادیث کو صحیح ٹھہراتی ہیں۔ جیسا کہ ہم اس مضمون کے پہلے حصوں میں دکھا چکے ہیں۔ ایسی معتبر احادیث بہت کثرت سے ملتی ہیں جن سے ان احادیث کے بیانات کی تردید ہوتی ہے۔ اس لیے اب ہم ان تین امور پر غور کریں گے۔ جن کا ذکر ابھی ہوا۔ مگر قبل اس کے کہ ہم اس بحث کو چھیڑیں۔ یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے۔ کہ اخیری دو حدیثیں جو اتقان میں سے لیگئی ہیں۔ اس قابل نہیں کہ ان پر کوئی توجہ کیجاوے۔ کیونکہ جیسا کہ شاہ عبدالعزیز نے اپنے عجالہ نافعہ میں جو اصول علم حدیث پر لکھا گیا ہے۔ یہ بتادیا ہے۔ کہ جلال الدین سیوطی کی تصانیف میں ایسی احادیث پائی جاتی ہیں۔ جنکا نام و نشان ابتدائی زمانہ میں نہیں ملتا۔ اور اس لیے ایسی احادیث کسی طرح قابل اعتبار نہیں۔ پس اگر ان احادیث کی تردید معتبر احادیث سے نہ بھی ہوتی ہو۔ تو بھی یہ اس قابل نہیں کہ انکی بنا پر کوئی اعتراض کیا جاوے۔ بلکہ وہ خود اپنی تردید کیلیے آپ ہی کافی ہیں اسطرح پر اتقان کی دونوں حدیثوں کے رد کرنیکے بعد مسلم کی تین حدیثیں رہ جاتی ہیں۔ پس اصول اول کے مطابق جس کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ سب سے پہلے ہم بخاری کو دیکھیں گے۔ کہ آیا اس میں کوئی ایسی حدیث پائی جاتی ہے۔ جو مسلم کی ان احادیث کی تردید کرتی ہو۔ کیونکہ صحیح بخاری وہ کتاب ہے۔ جس کو بالاجماع اصح الکتب بعد کتاب اللہ مانا گیا ہے۔ اور مسلم یا کسی دوسری کتاب کو ایسا مرتبہ حاصل نہیں۔ پس اگر مسلم کی کوئی حدیث یا کسی اور کتاب کی حدیث بخاری کی تردید کرتی ہو۔ تو ہمیں ایسی حدیث کو رد کرنا پڑیگا۔ لیکن ان احادیث کی شہادت کی تردید نہ صرف بخاری سے ہی ہوتی ہے۔ بلکہ خود انہی کتابوں یعنی مسلم وغیرہ میں کثرت سے ایسی حدیثیں پائی جاتی ہیں۔ جو ان تین حدیثوں کی تردید کرتی ہیں۔ چونکہ حفاظت قرآن کے مضمون میں ہم ان احادیث کا مفصل ذکر اپنی اپنی جگہ کرتے آئے ہیں۔ اور انہی کی بنا پر ہم نے یہ قطعی طور پر یہ ثابت کر دیا ہے کہ قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے زمانہ سے لیکر آجتک محفوظ چلا آیا ہے۔ اور اس میں کسی قسم کی کمی بیشی یا تغیر و تبدل نہیں ہوا۔ لہٰذا ان احادیث کے اعادہ کی یہاں کوئی ضرورت نہیں۔

اب ہم ان تینوں حدیثوں کو ایک ایک کر کے لیتے ہیں۔ اور دیکھتے ہیں کہ یہ کہانتک قابل اعتبار ہیں پہلی حدیث میں ابو موسیٰ اشعری کے خطبہ کا ذکر ہے۔ جو اس نے قراء بصرہ کے سامنے دیا۔ اور جس کا ماحصل یہ ہے۔ کہ وہ یعنی ابو موسیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے صحابہؓ دو سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ جن میں سے اب صرف ایک ایک فقرہ ہی اسے یاد رہ گیا۔ اور پہلی سورۃ کے فقرہ کا مضمون یہ ہے۔ کہ اگر ابن آدم کے لیے مال کی دو وادیاں ہوتیں تو وہ ایک تیسری وادی کی تلاش کرتا اور ابن آدم کے پیٹ کو سوائے مٹی کے کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔ اور دوسری سورۃ کے فقرہ کا یہ مضمون ہے۔ کہ اے ایماندارو تم وہ بات کیوں کہتے ہو۔ جو کرتے نہیں۔ اس کی شہادت تمہارے خلاف لکھی جائے گی اور قیامت کے دن تم سے اس کے متعلق باز پرس کیجائے گی۔ خود مسلم سے جو بیرونی اور اندرونی شہادت اس روایت کے متعلق ملتی ہے وہ اسکو مردود ٹھہراتی ہے۔ بیرونی شہادت کے لیے سب سے پہلے اس کے سلسلہ رواۃ کو دیکھنا چاہیئے۔ اس روایت کے راویوں کے سلسلہ میں سب سے پہلے سوید بن سعید ہے اور اس لیے سب سے پہلے ہم اسی کو لیتے ہیں۔ کہ اسکی روایت کہانتک قابل اعتبار ہو سکتی ہے۔ راویوں کی جرح پر ذہبی کی میزان الاعتدال سب سے زیادہ معتبر کتاب ہے۔ اس کتاب میں سوید بن سعید کے متعلق یہ لکھا ہے کہ بعض لوگوں نے جن میں سے مسلم بھی ہیں۔ اس کی روایت کو لیا ہے۔ لیکن اکثر نے اس کی روایت کو مردود سمجھا ہے۔ اور اس بات پر قریباً قریباً سب کا اتفاق ہے۔ کہ وہ بہت بوڑھا ہو گیا تھا۔ اور آخر کار اندھا ہو گیا۔ اور اسوقت وہ بعض ایسی حدیثیں بیان کر دیتا تھا۔ جو دراصل اس کی حدیثیں نہ تھیں۔ امام بخاری کے اس کے متعلق یہ الفاظ ہیں۔ انہ ضعیف جداً۔ ایسا ہی ایک واقعہ کا اس کتاب میں ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا میلان شیعہ مذہب کی طرف تھا۔ لکھا ہے کہ ایک شخص اس کے پاس کتاب الفضائل لایا تو اس نے علیؓ کو اول اور ابو بکرؓ کو آخر کر دیا۔ بہت سے لوگوں نے اسے متروک الحدیث قرار دیا ہے۔ اور بعض نے اسکو کذاب کہا ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ وہ متہم بالزندقہ ہے۔ یہ اس راوی کا حال ہے۔ جس کے منہ سے مسلم نے اس حدیث کو لیا ہے۔ اور جب اسکی نسبت اسقدر بے اعتباری کی شہادت ملتی ہے۔ تو ہمیں ضرورت نہیں کہ اب ہم اس حدیث کے دوسرے راویوں پر غور کریں۔

ایک اور قسم کی خارجی شہادت خود مسلم سے ملتی ہے۔ جس سے حدیث زیر بحث کی وقعت کچھ بھی نہیں رہتی۔ اس حدیث سے پہلے خود مسلم نے اسی مضمون کی چار اور حدیثیں نقل کی ہیں صرف اس فرق کے ساتھ کہ سوید کی حدیث میں جو الفاظ ابی موسیٰ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں۔ ان کے متعلق یہ ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ وہ قرآن شریف کی

دو سورتوں کے ٹکڑے تھے۔ لیکن ان چاروں حدیثوں میں اس بات کا نام و نشان نہیں پایا جاتا چنانچہ مسلم کتاب الزکوٰۃ باب لوان لا بن اٰدم وادیین لابتغیٰ ثالثا میں سب سے پہلی حدیث یہ ہے۔ حدثنا یحیی بن یحیی وسعید بن منصور وقتیبة بن سعید قال یحیی انا وقال الاخران ثنا ابو عوانة عن قتادة عن انس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لوکان لابن اٰدم وادیان من مال لا تبغی وادیا ثالثا ولا یملاء جوف ابن اٰدم الا التراب ویتوب الله علی من تاب۔ یعنی یحیی بن یحیی اور سعید بن منصور اور قتیبة بن سعید ان تینوں نے حضرت انس سے یہ روایت مسلم کو پہنچائی۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اگر آدمی کے لیے دو وادیاں مال کی بھی ہوتیں۔ تو بھی وہ تیسری کی خواہش کرتا۔ اور آدمی کے پیٹ کو سوائے مٹی کے کوئی چیز نہیں بھر سکتی یعنی آخر موت سے ہی اس کی خواہشات اور حرص کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اور جو شخص خدا کی طرف رجوع کرتا ہے خدا بھی اس پر رجوع برحمت کرتا ہے۔ اب اس روایت کے بموجب حضرت انسؓ یہ روایت کرتے ہیں۔ کہ وہی لفظ یعنی لوکان لابن اٰدم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے تھے۔ اور انکو قرآن کا جزو قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اب مسلم کی یہ دونوں روایتیں ایک دوسرے کے مخالف شہادت دیتی ہیں۔ یعنی ایک طرف تو سوید کی روایت جس کے رو سے لوکان لابن اٰدم الخ کو کسی بھولی ہوئی سورۃ قرآنی کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔ اور دوسری طرف یحیی بن یحیی اور سعید بن منصور اور قتیبة بن سعید تینوں کی متفق علیہ روایت ہے۔ جس کے رو سے انہی الفاظ کو قرآن شریف کا جزو نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے الفاظ قرار دیا گیا ہے اس لیے ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ ان دونوں روایتوں میں سے ہم زیادہ اعتبار کس پر کر سکتے ہیں۔ سوید کے متعلق جو رائے محدثین کی ہے۔ اسکو ہم اوپر نقل کر چکے ہیں۔ اب ان تینوں راویوں میں سے سعید بن منصور اور یحیی بن یحیی دو کو ذھبی نے میزان الاعتدال میں صریح الفاظ میں ثقہ بیان کیا ہے۔ اور تیسرے یعنی قتیبہ بن سعید کے متعلق لکھا ہے۔ کہ اس کا حال کچھ معلوم نہیں۔ بہرحال اس حدیث کی شہادت پہلی حدیث سے بہت بڑھکر وزنی ہے۔ کیونکہ وہاں تو صرف ایک آدمی کی روایت ہے اور وہ بھی ایسا جسکو اکثر محدثین نے ناقابل اعتبار اور ضعیف اور متروک الحدیث مانا ہے اور بعض نے زندیق اور کذاب تک کہا ہے۔ اور یہاں کم ازکم دو ایسے راویوں کی شہادت ہے۔ جن کو سب محدثین نے ثقہ تسلیم کیا ہے اس لیے ہم آسانی سے اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ کہ اس حدیث کی شہادت حدیث زیر بحث سے بہت زیادہ قابل اعتبار ہے۔ پس جب یہ حدیث قابل تسلیم ہے۔ تو حدیث زیر بحث ضرور مردود ٹھہرتی ہے۔ پھر اس کے علاوہ تین اور حدیثیں اسی مضمون کی مسلم نے بیان کی ہیں۔ اور ان سب میں ان الفاظ لوکان لابن اٰدم الخ

کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ کے الفاظ اور آپ کی حدیث قرار دیا گیا ہے۔ اور کسی ایک میں بھی یہ نہیں کہا گیا۔ کہ وہ جزو قرآن تھے۔ ان تین میں سے ایک حدیث میں ابن عباس کی طرف جو اس کے پہلے راوی ہیں۔ یہ الفاظ منسوب کیے گئے ہیں۔ فلا ادری أمن القرآن هو ام لا۔ یعنی میں نہیں جانتا کہ یہ قرآن کا جزو ہے یا نہیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی ایک دوسری روایت میں انہی الفاظ فلا ادری أمن القرآن کے تعلق میں ابن عباس کا ذکر نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی پچھلے راوی کے لفظ ہیں۔

ان تمام واقعات پر غور کرنے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ کہ خود مسلم نے اس ایک حدیث کے خلاف چار اور حدیثیں بیان کر کے اسکو ایک حد تک ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔ اور کم از کم یہ تو ظاہر ہے۔ کہ جب ایک ہی کتاب میں ہم پانچ حدیثیں ایسی پاتے ہیں جن میں چار کی شہادت پانچویں کے مخالف ہے، اور پھر ان چار حدیثوں کو پانچویں حدیث کی نسبت بلحاظ راویوں کے زیادہ قابل اعتبار بھی پاتے ہیں۔ تو ان چار حدیثوں کی شہادت کے بالمقابل پانچویں حدیث کی شہادت کو رد کرنا پڑیگا۔ اس بارہ میں یہ امر بھی قابل تذکرہ ہے۔ کہ خود مسلم نے ان چار حدیثوں کو پہلے اور اس پانچویں حدیث کو جو انکے مخالف ہے سب سے اخیر بیان کر کے یہ جتا دیا ہے۔ کہ یہ حدیث انکے مقابل بہت کم وزن رکھتی ہے۔ یہ صرف قیاس ہی قیاس نہیں بلکہ مسلم نے صحیح مسلم کے دیباچہ میں خود اس بات کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔ کہ جن حدیثوں کو اس نے زیادہ قابل اعتبار سمجھا ہے۔ انکا ذکر بھی پہلے کیا ہے اور جن حدیثوں کو کمزور سمجھا ہے۔ انکا ذکر بعد میں کیا ہے چنانچہ انکے اپنے الفاظ یہ ہیں۔ فاما القسم الاول فانا نتوخى ان نقدم الاخبار التی هی اسلم من العیوب من غیرها وانقى من ان یکون ناقلوها اهل استقامة فی الحدیث واتقان لما نقلوا۔ لم یوجد فی روایتهم اختلاف شدید ولا تخلیط فاحش کما قد عثر فیه علی کثیر من المحدثین وبان ذلك فی حدیثهم فاذا نحن تقصینا اخبار هذا الصنف من الناس اتبعنا ها اخبارا یقع فی اسانید ها بعض من لیس بالموصوف بالحفظ والاتقان کالصنف المقدم قبلهم .... یعنی امام مسلم کہتے ہیں۔ کہ ہم نے اس قاعدہ کی پیروی کی ہے کہ ان حدیثوں کو پہلے رکھیں۔ جو دوسری حدیثوں کی نسبت عیبوں سے زیادہ محفوظ ہیں۔ اور انکے نقل کرنیوالے حدیث میں اہل استقامت اور اہل اتقان ہیں۔ ان باتوں میں جنکو انہوں نے نقل کیا اور انکی روایت میں اختلاف شدید یا بڑا خلط نہیں پایا جاتا۔ جیساکہ اکثر محدثین کو انپر اطلاع ہوئی ہے۔ اور پھر لکھتے ہیں۔ کہ جب ہم اس قسم کی حدیثوں کو بیان کر چکتے ہیں۔ تو ان کے بعد اس قسم کی حدیثیں لاتے ہیں۔ جن کی سندوں میں بعض ایسے راوی بھی ہیں جو حفظ اور اتقان میں پہلے راویوں کی طرح نہیں۔ ان الفاظ سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ خود مسلم نے حدیث زیر بحث کو وہ وقعت نہیں دی۔ جو ان حدیثوں کو جن سے اس کے مخالف شہادت پیدا ہوتی ہے۔

حدیث زیر بحث کے بطلان کو اور بھی واضح کرنیکے لیے اب ہم اس اندرونی شہادت پر غور کرتے ہیں - جو خود اس حدیث سے پیدا ہوتی ہے - اول تو خود اس فقرہ کی عبارت اس طرز کی ہے کہ کوئی شخص جس نے قرآن شریف کو پڑھا ہے - اسے قرآن شریف کا جزو قرار نہیں دے سکتا - ثانیاً وہ الفاظ جو ابو موسیٰ اشعری کی طرف منسوب کیے گئے ہیں - اس حدیث کے جھوٹا ہونے کی شہادت دیتے ہیں - ابو موسیٰ اشعری کہتے ہیں - کنا نقرأ سورۃً یعنی ہم ایک سورۃ پڑھا کرتے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے - کہ اس حدیث کے مطابق وہ اکیلے ہی ایسے آدمی نہ تھے جنکو وہ سورۃ حفظ یاد ہو - بلکہ انکی طرح دوسرے صحابہؓ کو بھی یاد تھی - اس لیے یہ ماننا پڑتا ہے - کہ یہ سورۃ تمام صحابہؓ میں شہرت رکھتی تھی - اب اگر اس بات کو فرض کر لیا جاوے - کہ یہ ممکن تھا کہ ابو موسیٰ اشعری ساری سورۃ کو یکایک بھول جائیں - اور صرف ایک ہی فقرہ انکو یاد رہ جائے - تو یہ کیونکر ہوا کہ باقی تمام صحابی بھی اسکو ساتھ ہی بھول گئے - کوئی صحابی نہ اس سورۃ کا ذکر کرتا ہے - نہ نام لیتا ہے کہ کبھی کوئی ایسی سورۃ قرآن شریف کا ایک حصہ تھی نہ ہی کسی صحابی نے اور انہی میں ابو موسیٰ اشعری بھی شامل ہے - حضرت ابو بکرؓ کے وقت میں جب قرآن شریف جمع کیا جا رہا تھا زید کو یہ اطلاع دی کہ ایسی کوئی سورۃ بھی قرآن شریف میں داخل ہے - حالانکہ اسوقت عام طور پر اعلان کیا گیا تھا - کہ جس شخص کے پاس کوئی حصہ قرآن کا ہو - جو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا ہو - وہ اسے لے آوے پھر نہ معلوم اس وقت ابو موسیٰ اشعری اور وہ دوسرے صحابہؓ جنکو یہ سورۃ حفظ تھی - کہاں تھے - یا کیوں انہوں نے اسے پیش نہ کیا - ایسا ہی حضرت عثمانؓ کیوقت میں جب مصاحف کی نقل بڑے اہتمام سے کرائی گئی اسوقت بھی کسی کی اطلاع میں یہ بات نہ آئی - کہ ایسی کوئی سورۃ بھی قرآن شریف میں ہے - پھر حضرت ابو بکرؓ کے وقت سے لیکر جب قرآن شریف جمع کیا گیا - کسی قاری نے یا حافظ نے باوجود اسکے کہ صحابہؓ میں بہت سے لوگ ایسے موجود تھے - کبھی اس بات کو پیش نہ کیا - کہ جو قرآن شریف حضرت ابو بکرؓ نے جمع کرایا تھا - اس میں ایک اتنی بڑی لمبی سورۃ کا نام و نشان تک پایا نہیں جاتا - اور اگر یہ کہا جائے کہ ابو موسیٰ اشعری اور دوسرے تمام صحابہؓ جنکو سورۃ حفظ تھی - اور ایسا ہی تمام حافظان قرآن اس سورۃ کو حضرت ابو بکرؓ کی جمع سے پہلے ہی بھول چکے تھے - اور تمام تحریریں بھی جنپر یہ سورۃ لکھی ہوئی تھی - اسوقت سے پہلے تلف ہو چکی تھیں - تو کم از کم اتنا تو ہوتا - کہ یہ چند لفظ جو ابو موسیٰ اشعری کو یاد رہ گئے تھے - یعنی لو کان لابن آدم وادیان من مال الخ قرآن شریف میں درج کر دیے جاتے - ابو موسیٰ اشعری صحابہؓ کو یاد دلاتے کہ ہم سب فلاں سورۃ پڑھا کرتے تھے - جسکو اب ہم سب بھول گئے ہیں - اور یہی ایک فقرہ یاد رہ گیا ہے - تو ضرور تھا - کہ صحابہؓ کو بھی یہ بات یاد آجاتی - اور عجیب بات یہ ہے - کہ ابن مسعودؓ اور ابی کے پاس جو کہا جاتا ہے - کہ الگ نسخے قرآن شریف کے تھے - انمیں بھی اس سورۃ کا نام و نشان نہیں - پھر جب ابو موسیٰ نے اس بات کو بیان کیا - تو اسوقت بھی ہزارہا صحابیوں میں

کسی ایک نے بھی اسکی تائید نہ کی۔ اور تعجب پر تعجب یہ کہ وہ لوگ جو ایک ایک حدیث کے لیے مہینوں کے سفر کرتے اور محنت شاقہ اُٹھاتے انہیں سے بھی کوئی ایک اس تحقیق کے درپے نہ ہوا۔ کہ اتنی بڑی لمبی سورتیں قرآن شریف کی جو کہ ابو موسیٰ کو بھول گئی تھیں۔ انکا کہیں پتہ لگاتا۔ بلکہ خود ابو موسیٰ نے بھی کوئی کوشش نہ کی۔ کہ جو سورتیں اسکو بھول گئی تھیں۔ انکو تازہ کرنیکے لیے کچھ محنت اُٹھاتا۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ حدیث میں جو بات بیان کی گئی ہے۔ وہ ایسی لغو اور دُور از قیاس ہے۔ کہ ایک سمجھدار آدمی ایک لمحہ کے لیے بھی اسپر یقین نہیں کر سکتا۔ پس خارجی اور اندرونی شہادت دونوں نہایت صفائی سے اس بات کو بیان کرتی ہیں۔ کہ حدیث زیر بحث سراسر جھوٹی ہے۔ اور اسکی صداقت پر ایک ذرہ بھر بھی شہادت نہیں ملتی۔ اور یہ امر کہ مسلم نے اس حدیث کو اپنی کتاب میں لکھدیا ہے۔ یہ کوئی اس کی شہادت پر صداقت نہیں۔ دراں حالیکہ ہم یہ بھی دکھا چکے ہیں۔ کہ خود مسلم بھی اسکو بہت ضعیف اور کمزور سمجھتا تھا۔ اور دوسری حدیثوں کو جن سے اس کے مخالف شہادت پیدا ہوتی ہے۔ اس سے بہت زیادہ قابل اعتبار سمجھتا تھا۔

باقی دو حدیثیں جو مسلم نے بیان کی ہیں۔ اور جن کو اعتراض کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اگر انہیں سے ہر ایک پر ایسی ہی لمبی بحث کیجائے تو یہ مضمون بہت طول پکڑ جائیگا۔ ہم نے صرف مثال کے طور پر یہ بتا دیا ہے۔ کہ ایسی حدیثوں پر خواہ وہ مسلم میں ہی موجود ہوں۔ کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ اور تحقیق سے ایسی حدیثیں بالکل جھوٹی ثابت ہوتی ہیں۔ پس باقی ماندہ دو حدیثوں کے متعلق ہم صرف انکی اندرونی شہادت کے متعلق ہی مختصر طور پر کچھ ذکر کرینگے۔ انہیں سے ایک حدیث کا جو نمبر ۲ پر دیگئی ہے۔ یہ مضمون ہے کہ حضرت عایشہ نے یہ بیان کیا تھا۔ کہ قرآن شریف میں ایک آیت تھی جسمیں صراحت سے یہ ذکر تھا۔ کہ دس بار دودھ چوسنے سے حرمت رضاعی ثابت ہوتی ہے۔ اور کہ یہ حکم بعد میں منسوخ ہوگیا۔ اور اس کی بجائے ایک اور حکم نازل ہوا جس میں دس بار کی بجائے پانچ بار کا دودھ چوسنا حرمت رضاعی کے لیے کافی سمجھا گیا اور کہ یہ آخری حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت قرآن شریف میں پڑھا جاتا تھا۔ جو کچھ اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایسا حکم حضرت عایشہ کے سوا دوسروں کو بھی معلوم تھا۔ اور وہ اسکو قرآن شریف میں پڑھا کرتے تھے۔ درحقیقت اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اگر کوئی ایسا حکم نازل ہوتا۔ تو اس کی شہرت عام ہوتی۔ کیونکہ یہ حکم ایسا تھا۔ جو روزمرہ استعمال میں آنیوالا تھا۔ عرب میں بچوں کو عموماً دودھ دایا سے پلایا جاتا تھا۔ اور ایسی صورت میں یہ ضرور تھا۔ کہ ہر ایک شخص کو اس بات کا علم ہوتا۔ کہ کون کونسی عورتیں اسپر رضاعت کیوجہ سے حرام ہیں۔ پس اگر ایسی کوئی آیت قرآن شریف میں نازل ہوتی۔ تو اس کا علم کبھی ایک شخص تک محدود نہ رہ سکتا تھا۔ بلکہ اسکی اطلاع اور شہرت عام ہونی چاہیئے تھی۔ محدثین نے یہ اصول قایم کیا ہے۔ کہ اگر کسی حدیث میں کسی ایسے واقعہ کا تذکرہ ہو۔ جسکی اطلاع اور شہرت عام

ہونی چاہیئے۔ مگر وہ لوگ جنکو اس کا علم ہونا چاہیئے تھا۔ اس کے متعلق کچھ اطلاع نہ دیں۔ اور اس سے لاعلمی ظاہر کریں۔ تو ابھی حدیث کے وضعی ہونیکی یہ شہادت کافی ہے۔ درحقیقت اگر غور کیا جائے۔ تو یہ اصول نہایت معقول ہے جب ہم اس کے رو سے حدیث زیر بحث کو پرکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث اصلی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ایسا حکم رضاعت کے متعلق عام طور پر لوگوں کے علم میں آنا چاہیئے تھا اور ضروری تھا کہ کثرت سے روایات اس کے متعلق ہوتیں۔ حدیث میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ایک آیت عام طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پڑھی جاتی تھی۔ اب جب حضرت ابو بکرؓ نے قرآن شریف کو جمع کرنا شروع کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف چھ ماہ کا عرصہ گذرا تھا۔ مگر باوجود اس کے کہ اسقدر تھوڑا عرصہ گذرا تھا ایک شخص نے بھی حضرت ابو بکرؓ یا زیدؓ کو اطلاع نہ دی کہ ایسی کوئی آیت بھی قرآن شریف میں ہے بلکہ حضرت عایشہؓ نے بھی جنکی طرف یہ روایت منسوب کیجاتی ہے ایسی اطلاع نہیں دی اور بالفرض اگر وہ زیدؓ کو اطلاع نہ دے سکتی تھیں تو کیا اپنے والد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بھی نہ دے سکتی تھیں پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وقت میں بھی حضرت عایشہ رضی اللہ عنہا زندہ تھیں مگر اسوقت بھی ایسی کسی آیت کا انہوں نے ذکر نہیں کیا۔ کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ عمرہ کو تو کئی سال بعد حضرت عایشہ ایسی آیت کا پتہ بتائیں لیکن خود اپنے والد کو جمع قرآن کے وقت نہ بتائیں اور اسوقت جبکہ عام اعلان کیا گیا تھا کہ جس شخص کے پاس کوئی آیت ہے وہ اسے لے آوے خاموشی اختیار کریں۔ اور پھر یہ بھی عجیب بات ہے کہ حضرت عایشہؓ کے سوا کوئی شخص ایسی آیت کا نام تک نہیں لیتا۔ علاوہ اس کے جیساکہ پچھلی حدیث کی بحث میں دکھایا جا چکا ہے خود مسلم کے اسی باب کی دیگر احادیث ہی اس حدیث کے جھوٹا ہونیکی شہادت ملتی ہے۔ کیونکہ ان احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی صحابی کو ایسی کسی آیت کی کوئی خبر نہ تھی۔ بلکہ اسی باب میں ایسی احادیث خود حضرت عایشہؓ اور دیگر صحابیوں سے مروی ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم سے یہ سوال کیے گئے ہیں کہ کتنی دفعہ کی رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔ اگر ایسی کوئی صاف آیت قرآن شریف میں وارد ہوتی کہ پانچ یا دس دفعہ دودھ چوسنے سے حرمت قطعی ہو جاتی ہے۔ تو ایسے سوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیوں پوچھے جاتے۔ نہ ہی یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ انہی سوالوں کے وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی کیونکہ اس کا کوئی تذکرہ حدیث میں نہیں پایا جاتا حالانکہ اگر ایسا واقعہ ہوتا تو اس کا تذکرہ حدیث میں بھی ضرور ہوتا۔

رہی تیسری حدیث سو اس کا بھی اب اسجگہ فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ یہ بات غور کے قابل ہے کہ اگر اس حدیث کے وہی معنے صحیح ہوں جو مخالف معترض کھینچ تان کر بیان کرنیکی کوشش کرتے ہیں تو جو الفاظ حضرت عمرؓ کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں وہ انکی زبان سے نکلے ہوئے کبھی ثابت نہیں ہو سکتے۔

حضرت عمرؓ کے الفاظ سے معترض یہی نتیجہ نکالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ گویا حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہؓ کو ایک ایسی آیت یاد تھی جس میں زانی مردوں اور عورتوں کی سزا کا ذکر تھا۔ لیکن یہ آیت قرآن میں درج نہیں ہوئی۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ یہ آیت پڑھی جاتی تھی اور یاد کی جاتی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اور ان کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین اس پر عمل کرتے اور اس کے مطابق حکم کیا کرتے تھے۔ اب اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جبکہ ہم اس بات کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا جمع قرآن میں سب سے بڑا دخل تھا اور جمع شدہ قرآن شریف انکی خلافت کے زمانہ میں انکے قبضہ میں ہی تھا تو پھر کیا وجہ پیدا ہوئی کہ انہوں نے اس آیت کو درج نہ فرمایا؟ اس آیت کے متعلق صرف تین قیاس کیے جا سکتے ہیں (۱) یہ قیاس ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہؓ کا اس پر اتفاق تھا کہ یہ قرآن شریف کی آیت ہے (۲) یا یہ قیاس ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی یہ رائے تھی کہ یہ قرآن شریف کی ایک آیت ہے اور دوسرے صحابہؓ اس سے متفق نہ تھے (۳) یا یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ نہ حضرت عمرؓ اور نہ دوسرے صحابہؓ ہی اس کے آیت قرآنی ہونے پر متفق تھے۔ ان قیاسات میں سے صرف پہلا قیاس ہی ایسا ہے جس سے معترضین کی نکتہ چینی کو کچھ رونق مل سکتی ہے۔ لیکن اگر ایسا ہی ہوتا کہ حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ اس بات پر متفق ہوتے کہ یہ قرآن شریف کی آیت ہے تو انکو کس بات نے روکا تھا کہ اسے درج قرآن نہ کیا؟ اس لیے یہ قیاس بالکل باطل ٹھہرتا ہے۔ اور خصوصاً جب ان لوگوں کے اخلاص اور دیانت و امانت اور تقویٰ و طہارت کی طرف توجہ کی جاتی ہے اور انکے اس دخل پر غور کی جاتی ہے جو جمع قرآن میں انکو حاصل تھا۔ اور نیز جب اس بات کو دیکھا جاتا ہے کہ اس حکم کے اخفا سے انکا کوئی ذاتی فایدہ نہ تھا تو ایسی حالتوں کے باوجود اس کا درج قرآن نہ ہونا اس قیاس کے بطلان پر قوی دلیل ہے۔

اسی طرح دوسرا قیاس بھی غلط ہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس بات کی کہیں ذرا بھی شہادت نہیں ملتی کہ کبھی حضرت عمرؓ نے ایسا بیان کیا ہو اور صحابہؓ نے انکی تردید کی ہو۔ اور اگر بالفرض یہ مانا جائے کہ واقعی طور پر حضرت عمرؓ کے ایسے بیان کی دوسرے صحابیوں نے تردید کی تھی۔ تو حضرت عمرؓ جب کسی دوسرے صحابی کو اپنا مؤید نہ پاتے تو خود ہی اپنی غلطی سے منحرف ہو جاتے۔ ان دونوں قیاسوں کے بطلان کے بعد صرف تیسرا قیاس ہی ایسا ہے جس پر یہ مقدمہ ٹھہر سکتا ہے۔ لیکن اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ قیاس اس حدیث کے ساتھ کس طرح توافق کھا سکتا ہے۔ کیونکہ ظاہر میں دونوں متضاد بیانات کی طرح نظر آتے ہیں۔ مگر اصل بات یوں نہیں۔ تھوڑا سا غور کرنے سے یہ امر ظاہر ہو جائیگا کہ اگر اس حدیث کے معنے تیسرے قیاس کے ساتھ متوافق نہ ہوں تو یہ حدیث ہی بے معنی اور عبث ٹھہر جاتی ہے۔ حضرت عمرؓ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب کچھ زمانہ گذر جائیگا تو لوگ یہ کہنا شروع کر دیں گے کہ زانیوں کو سنگسار کرنے کا حکم کتاب اللہ میں موجود نہیں۔ حالانکہ زانی مردوں اور زانیہ

عورتوں کو سنگسار کرنیکا حکم کتاب اللہ میں صحیح طور پر موجود ہے۔ اگر کتاب اللہ سے مراد قرآن شریف سمجھا جائے
تو یہ ایک صریح تضاد ہی اور اس لیے حدیث مذکور سراسر بے معنی ہے۔ کیونکہ پھر معنے یہ ہوں گے کہ سنگساری کا
حکم قرآن شریف میں موجود ہے مگر مرورِ زمانہ کے بعد لوگ کہنے لگیں گے کہ ایسا حکم قرآن شریف میں نہیں۔ لیکن لفظ "کتاب اللہ"
جو اس حدیث میں وارد ہے اگر اس کے مفہوم کو ذرا وسعت دیجاوے تو یہ اختلاف دُور ہوجاتا ہے۔ سو واضح
رہے کہ یہ ضروری نہیں کہ "کتاب اللہ" سے مراد قرآن شریف ہی ہو۔ کیونکہ یہی لفظ قرآن شریف میں بھی آیا ہے اور
وہاں اسکے معنے احکام الٰہی کے ہیں۔ چنانچہ والمحصنٰت من النساء الا ما ملکت ایمانکم کتاب اللہ
علیکم الخ میں "کتاب اللہ" کے معنے قرآن شریف نہیں بلکہ احکام الٰہی ہیں۔ سو ان معنوں کے رو سے
حدیث کے معنے درست ہوجاتے ہیں اور قرآن شریف کی حفاظت پر جو اعتراض بنایا گیا تھا وہ دُور ہو جاتا ہی۔

متذکرہ بالا بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مؤخر الذکر حدیث کے سوا کسی حدیث کی صحت پر اعتبار نہیں کیا
جاسکتا۔ اور آخری حدیث بھی اُن معنوں میں صحیح تسلیم ہو سکتی ہے جو معترضین کے معنوں سے بالکل مختلف
اور اوپر لکھے ہوئے معنوں کے موافق ہیں۔ البتہ بعض نکتہ چین لوگ یہ اعتراض پیش کرسکتے ہیں کہ ایسی
وضعی حدیثوں کا مسلمانوں میں کیونکر اتنا رواج ہوگیا اور کیونکر انکو مشہور و معروف جامعان احادیث نے اپنی
کتب میں درج کرلیا؟ اس امر کا بڑا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ حدیثیں اسلام میں لاکھوں تک مروج ہیں اور انہیں
اکثر بناوٹی اور موضوع حدیثیں بھی ہیں۔ بہت سی ایسی احادیث زندیقوں نے وضع کیں جو بظاہر اسلام
کے قائل مگر درپردہ دشمن تھے اور شیعوں نے بھی بعد میں بہت سی احادیث بنالیں چنانچہ انہیں میں سے
ایک حدیث کے راوی اول کے حالات سے ظاہر ہو چکا ہے کہ وہ زندیق قرار دیا گیا تھا اور اس کا میلان رفض
کی طرف پایا جاتا تھا۔ لیکن امام مسلم رح نے اس کی روایت پر اگرچہ بہت اعتبار تو نہ کیا لیکن قبولیت میں جگہ
دیدی۔ اسکی غالب وجہ یہ تھی کہ جس وقت امام مسلم رح نے اس حدیث کو نقل کیا تھا اسوقت اس شخص کے دل کے
اندرونی خیالات دیکھے نہیں گئے تھے۔ اس میں کلام نہیں کہ محدثینؒ نے صحیح اور وضعی حدیثوں کے پرکھنے اور
انکے الگ کرنے میں بڑی سعی کی لیکن آخر وہ انسان ہی تھے عالم الغیب نہ تھے جہاں تک انسانی عقل پہنچکر
کوشش کرتی ہے انہوں نے اس میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا مگر بشری نقصانوں سے وہ کیونکر بچ سکتے
تھے غرض ایسی وضعی احادیث جن میں اسلام پر باریک رنگ میں حملے کیے گئے تھے زندیقوں نے وضع کرکے
انکو شہرت دی اور اسطرح مسلمانوں میں وہ رواج پا گئیں۔ اور رواج پاکر معتبر شمار ہونے لگ گئیں۔ علاوہ
ازیں اس قسم کی وضعی حدیثوں کے بنانے اور رواج دینے میں شیعوں کا بھی ہاتھ رہا ہے۔ اسکی وجہ
یہ تھی کہ پہلے پہل تو یہ لوگ صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حقوق خلافت کو فوقیت اور ترجیح ہی دیتے تھے۔

لیکن جب انکے سامنے یہ بات پیش کی گئی کہ انکے اس دعوے کی تائید میں کوئی آیت قرآنی نہیں تو پھر انہوں نے خلفائے ثلاثہ کو کوسنا شروع کیا اور ان پر جھوٹا الزام لگانا شروع کیا کہ انہوں نے جان بوجھکر وہ آیات قرآن میں درج نہیں کیں۔ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حقوق کی مؤید تھیں۔ اس عقیدے کو رواج دینے کے لیے اس قسم کی حدیثیں بنائی گئیں جن سے قرآن کریم میں نقصان کا واقع ہونا معلوم ہو۔ تا اسی سے یہ استدلال ہو سکے کہ جب نقصان ہو گیا ہے تو ضرور ہے کہ بعض حصص جن میں حضرت علی رض کی فضیلت تھی نکال دیئے گئے ہوں اور ممکن ہے کہ کسی جامع حدیث نے ایسی باتوں کو صرف اس امر پر محمول کر لیا ہو کہ یہ آیتیں منسوخ ہو چکی تھیں لیکن اس سے ان آیات کا قرآن شریف میں سے منسوخ ہونے یا فروگذاشت سے نہ لکھے جانیکا ثبوت نہیں ملتا۔

اگر بفرض محال ہم یہ بھی تسلیم کر لیں کہ احادیث زیر بحث معتبر ہیں تو اس صورت میں ہمکو اس بات کا دیکھنا ضروری ہوگا کہ آیا کوئی شہادت ان کے متعارض اور مخالف تو موجود نہیں۔ کیونکہ اگر ایسی متعارض اور مخالف شہادت موجود ثابت ہو گی تو پھر اس بات کے جانچنے کی ضرورت ہو گی کہ دونوں میں سے کس طرف کی شہادت زیادہ قابل وثوق و اعتبار ہے۔ اس موقعہ پر جب ہم دیکھتے ہیں تو ایک طرف تو اکیلے ابو موسیٰ اشعری کی گواہی ہے کہ دو سورتیں صحابہؓ پڑھا کرتے تھے۔ اور جس وقت اس نے یہ حال بیان کیا تو اسوقت اس کو یاد نہ رہی تھیں۔ اور دوسری طرف ساری جماعت صحابہ کبارؓ کی گواہی ہے کہ انکے علم میں ہی کسی ایسی سورۃ کا وجود کبھی نہیں ہوا۔ جو جو لوگ قرآن خوان تھے اور جن جن کے پاس قرآن شریف موجود تھا انہیں سے کوئی بھی ایسا نہیں کہ جس نے اتنا بھی کہا ہو کہ ہم نے ایسی دو سورتوں کی بابت سنا ہی تھا۔ اب ظاہر ہے کہ ایک ابو موسیٰ اشعری کی گواہی اتنی بڑی معتبر جماعت صحابہؓ کی شہادت کے مقابلہ میں کیا وقعت رکھ سکتی ہے۔ اور خصوصاً جبکہ یہ معاملہ ایسا تھا کہ اگر اس کا کچھ بھی وجود ہوتا تو کثیر جماعت کے علم میں اس کا آنا ضروری تھا۔ ایسی صورت میں اکیلے شخص کی گواہی کو تمام صحابیوں کی گواہی پر کوئی ترجیح نہیں دیجا سکتی۔ بلکہ ترجیح کا سوال تو الگ رہا شمار اور موازنہ میں بھی نہیں لائی جا سکتی۔ البتہ اگر اس کے ساتھ بہت نہیں تو دو تین صحابہؓ ہی متفق ہوتے تو کسی منتقد کے دل میں شک پیدا ہونیکی وجہ ہو سکتی تھی۔ لیکن یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جو صرف ایک معمولی درجہ کی خبر رکھنے والے صحابی کی شہادت پر مبنی ہے اور ہزارہا اصحاب رسول کریم صلعم جو اُس سے زیادہ خبر اور دخل اور حافظہ رکھنے والے تھے اسکا انکار کرتے ہیں۔ اسپر بھی اسکو پیش کرنا اور اسپر ناز کرنا پرلے درجہ کی نادانی اور نامعقولیت ہے یہی حال باقی ان حدیثوں کا ہے جو پیش کیجاتی ہیں۔ ایسی ہر ایک حدیث صرف ایک ہی شخص کی گواہی پر مبنی ہے جس کا کوئی دوسرا مؤید نہیں۔ اکیلے ابو موسیٰ اشعری ہی کی روایت پر بیان کیا جاتا ہے کہ دو سورتیں قرآن شریف کی گم ہو گئی تھیں انکے سوائے ایک بھی ایسا صحابی نہیں ہوا

جس نے انکی ہاں میں ہاں ملائی ہو اور انکے اس غلط خیال کی تائید کی ہو۔

ایسے ہی حضرت عایشہ رض ایک آیت کا گم ہوجانا بیان کرتی ہیں۔ لیکن وہ بھی اپنے بیان کی تائید میں ہزار ہا صحابہ رض میں سے ایک گواہ بھی پیش نہیں کرتیں۔ جہاں ابن مسعود ایک امر بیان کرتا ہے تو ابیؓ اور دوسرے تمام صحابی رض اس کی تردید کرتے ہیں۔ اور اگر ابی نے کوئی امر بیان کیا ہے تو ابن مسعود اور دوسرے سارے صحابہ رض اس کے مخالف ہیں۔ غرض جہاں کہیں اس قسم کی کوئی روایت آئی ہے وہ صرف ایک ہی شخص کا بیان ہے اور کوئی بھی دوسرا انکے بیان کا مؤید اور گواہ نہیں۔ اب یہ ظاہر ہے کہ صرف ایک شخص کی گواہی سے یہ بات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ جاتی کہ فلاں آیت قرآن شریف کی تھی۔ کیونکہ یہ امر واقعہ ہے اور کثیر التعداد احادیث اس کی مصدق و مؤید ہیں کہ قرآن شریف کی ہر ایک آیت نازل ہوتے ہی عام طور پر شایع کردیجاتی تھی اور قرا اور حفاظ اسکو فورًا یاد کر لیا کرتے تھے۔ جس حدیث میں زید کا بعہد خلافت حضرت ابوبکر صدیق رض قرآن جمع کرنیکا ذکر ہے اس کے اخیر میں جو روایت لکھی ہے کہ سورہ براۃ کی ایک آیت گم ہوگئی ہوئی تھی اور وہ صرف ابوخزیمہ کے پاس دستیاب ہوئی تھی اس روایت سے اس نتیجہ کا انکار لازم نہیں آتا۔ کیونکہ ہم پہلے ثابت کر آئے ہیں کہ وہاں صرف تحریر کا ذکر ہے۔ اور دوسری حدیثوں سے ثابت ہے کہ اسی زمانہ میں قرآن شریف کے بہت لوگ حافظ اور قاری موجود تھے جن کو سارا قرآن ازبر تھا اور جو ازبر تلاوت کیا کرتے تھے الغرض کوئی معقول انسان اس بات پر کبھی قایم نہیں رہ سکتا کہ صرف ایک شخص کی شہادت کو تمام جماعت کی شہادت کے مقابلہ میں ترجیح دے اور ان سب کو غلطی پر سمجھے۔

پھر ان احادیث کی صحت پرکھنے کے لیے تیسرا معیار تواتر عملی یا تعامل ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے عاشق تھے کہ جو بات ان کے مبارک دہن سے سنتے یا جو کام انکو کرتے دیکھتے یا انکے جو فرمان کانوں سے سن لیتے تو فورًا ان کو عمل میں لے آتے۔ اور اسی طرح ان سے انکی اولاد اور توابع نے اور ان سے انکی اولاد اور توابع نے لیکر عمل کیا اور نسلاً بعد نسلاً متواتر عمل کرتے چلے آئے ہیں یہاں تک کہ وہ سب کچھ ہم تک پہنچ گیا۔ اسکو تعامل کہتے ہیں جو باتیں تعامل میں آچکی تھیں احادیث کی کتابوں میں نہ بھی لکھی جاتیں تو بھی کچھ حرج نہیں تھا۔ آنحضرت صلعم کے بعد سب سے زیادہ قیمتی چیز مسلمانوں کے ہاتھ میں قرآن شریف تھا۔ اور اس میں شک نہیں کہ ہر ایک مسلمان اس بات پر تلا رہتا تھا کہ اس بیش بہا نعمت کو ہر قسم کے آمیزش اور تصرف سے محفوظ رکھکر آیندہ نسلوں کو پہنچا تا رہے۔ اب اگر بطور محال فرض کرلیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تحکم سے بعض نسخے قرآن شریف کے معدوم کر دیئے تو یہ امر دیکھنا ضروری ہوگا کہ آیا اکیلے حضرت عثمان رض کا دخل اتنا بڑھا ہوا تھا اور انکی طاقت ایسی وسیع ہوگئی ہوئی

تھی کہ اتنی بڑی قوم کے قبضہ اور حافظہ سے ہر ایک آیت اور سورۃ مٹا سکیں۔ اور اگر یہ بھی فرض کر لیں کہ ابن مسعودؓ جیسے مشہور لوگوں سے انہوں نے قرآن کے نسخے چھین لیے تھے تو یہ کیونکر سمجھا جا سکتا ہے کہ جو نقلیں عام طور پر ان لوگوں کے قرآنوں کی مسلمانوں میں مشتہر اور مروج ہو چکی تھیں وہ بھی انہوں نے لوگوں سے لے لی تھیں؟ اور یہ ثابت شدہ بات ہے کہ قرآن شریف کی بکثرت نقلیں اسی زمانہ میں مسلمانوں میں عام طور پر مروج ہو چکی تھیں۔ اگر ان لوگوں کو حضرت عثمان والے نسخۂ قرآن میں کوئی نقص معلوم ہوتا تو وہ حق کے لیے ایسے دلیر تھے کہ فوراً اسکو عیاں کر دیتے اور کسی کے رعب و سیاست سے نہ دبتے۔ لیکن بطور تنزل اگر اتنا بھی مان لیا جائے کہ اس بیسے کسی مسلمان کو حضرت عثمانؓ کے نسخہ قرآن میں کوئی نقص معلوم ہوا تھا تو اتنا تو کوئی ضرور کرتا اور اسکے کرنے میں اسکو کوئی دقت بھی نہ تھی کہ جو نسخہ صحیح اس کے اپنے پاس یا کسی اور کے پاس معلوم ہوتا اسکو حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں چھپا کر ہی محفوظ رکھ لیتا۔ اگر کوئی ایسا کرتا تو حضرت عثمانؓ کے دَورِ خلافت کے ختم ہونیکے بعد ایسے قرآن کی نقلیں فوراً جا بجا پھیل جاتیں۔ اور خصوصاً جب حضرت علیؓ کا زمانہ آیا تھا تو چونکہ انہیں حضرت عثمانؓ کے قرآن شریف کے مختلف نسخوں کو لیکر ایک مکمل نسخہ بنانیکی تدبیر کو اپنے زمانہ میں مروج رکھنے کی کوئی خاص غرض نہ تھی اسلیے انکے زمانہ میں ایسا نسخہ قرآن شریف بہت آسانی اور عمدگی کے ساتھ وسیع اشاعت بلا تکلف حاصل کر سکتا تھا۔ اسطرح حضرت علیؓ کے زمانہ میں بہت سارے ایسے قرآنوں کے نسخے مروج ہو جاتے۔ اور اگر انہیں حضرت عثمانؓ کے جمع کردہ نسخہ سے ذرہ بھی اختلاف ہوتا اور اسکی اشاعت و رواج کو روکنے کی جرأت اپنے میں نہ پاتے تو اتنا تو ضرور ہوتا کہ دوسرے جس کسی نسخہ قرآن کو اس نسخہ سے زیادہ اچھا سمجھتے۔ اسکو ہی شایع کرتے۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے ایسی احتیاط اور امانت سے کامل قرآن شریف نقل کرایا تھا کہ تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اسکی صحت پر صاد تھا بلکہ یوں سمجھنا چاہیئے کہ وہ تمام صحابہؓ کا متفق طور پر لکھایا ہوا قرآن تھا۔ یہ ایسا مقبول کام تھا کہ وہ لوگ جو حضرت عثمانؓ سے ایسے ناراض ہوئے تھے اور انمیں آتشِ غضب ان کے برخلاف اس حد تک بھڑک اٹھی تھی کہ امیر المؤمنینؓ کے خون میں ہاتھ رنگ لیے تھے ان لوگوں نے بھی اس قرآن میں کوئی نقص نہ پایا اور نہ بیان کیا۔ اور نہ ہی انہوں نے اس سے کوئی جدا نسخہ قرآن شریف پیش کیا اور نہ ہی کسی سورۃ تو کیا ایک آیت کی کمی بیشی ہی بیان کی۔ بلکہ یہانتک کہ انہوں نے باوجود اسقدر حرفگیری کے اتنا بھی اشارہ نہ کیا کہ کوئی ایک لفظ بلکہ حرف ہی حضرت عثمانؓ نے بدلا ہے۔ غور کی جگہ ہے کہ جب حضرت عثمانؓ کی طاقت کا خاتمہ ہو گیا یعنی جب وہ باغیوں کے ہاتھوں سے مقتول ہو گئے۔ تو پھر جن حصص قرآن کو حضرت عثمانؓ نے دبا رکھا تھا اور شایع نہ کیا ان کے شایع کرنے میں کونسی رکاوٹ کسی کو مانع ہو سکتی تھی۔ اگر یہ بھی مانا جائے کہ حضرت عثمانؓ کی سیاست ایسی غالب آئی تھی کہ انہوں نے تمام ایسے نسخے چھنوا کر ضایع کر دیئے تھے تو انکی شہادت کے بعد ابھی

بہت سارے قراء اور حفاظ زندہ تھے جن کے دلوں کی الواح پر قرآن شریف کا حرف حرف زمانہ نزول سے ہی منقش اور منضبط تھا۔ انکو حضرت عثمانؓ مٹانے پر کیسے قادر ہو سکتے تھے۔ انکا تو کسی فانی ہاتھ کی کوشش سے محو ہونا ناممکن محض تھا۔ قرآن شریف کے تمام ایسے حصے جن کے دبا رکھنے کا الزام حضرت عثمانؓ پر بیجا اعتراض کرنیوالے لگاتے ہیں وہ سب کے سب حضرت عثمانؓ کی شہادت کے ساتھ ہی رواج عام میں آجاتے۔ اور قرآن میں شامل کر دیے جاتے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا تاریخ اس گواہی کے لیے طیار ہے کہ کسی اس قسم کی بات کا پتہ دیوے؟ سچی بات تو یہ ہے کہ تاریخ میں ہرگز ہرگز اسکا کوئی سراغ نہیں چلتا باوجودیکہ مسلمانوں کو اسی ابتدائی زمانہ میں ہی باہمی اختلافات نے علیحدہ علیحدہ کر دیا تھا۔ اور اس کے بعد طرح طرح کے اختلافات انمیں پیدا ہوتے گئے۔ لیکن باوجود ان سب اختلافات کے مختلف لوگوں اور مختلف فرقوں میں صرف ہی ایک قرآن جو حضرت عثمانؓ نے لکھوایا تھا بلا کسی قسم کے اختلاف کے ہمیشہ سے مروج اور مسلم چلا آیا ہے۔ اگر واقع میں کوئی اختلاف موجود ہوتا تو ضرور تھا کہ قرآن شریف کے نسخوں میں کسی نہ کسی طرح اسکو دخل ہو جاتا۔ لیکن تمام مسلمان جن میں بعض ایک دوسرے کے خونی دشمن بھی ہوتے ہیں اور تمام اسلامی فرقے جو بعض بعض کے خون آشام حریف ہیں صرف ایک ہی قرآن شریف ہمیشہ سے مانتے چلے آتے ہیں۔ ان جمہوری اتفاق سے یہ امر پایۂ ثبوت کو زیادہ وضاحت سے پہنچتا ہے کہ اس قرآن شریف میں کسی شخص کو کسی طرح کا اختلاف نہ تھا۔ اور یہ کہ یہی قرآن شریف ہے جو آنحضرت صلعم کے منشاء کے موافق جمع کیا گیا تھا۔

بعض شیعہ لوگ اس بارہ میں کسی وقت طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں انکے جواب کے لیے ہم میور صاحب کی "لایف آف محمد" سے چند فقرات اقتباس کرنے پر کفایت کرتے ہیں۔ اس شخص نے خود ہی اعتراض اُٹھایا ہے اور آپ ہی اس کا جواب دیا ہے۔ چنانچہ اس نے لکھا ہے۔ "اس بات کو تسلیم کر کے کہ ہمارے ہاتھوں میں بلاتغیر و تبدل وہی نسخہ موجود ہے جو حضرت عثمانؓ نے شایع کرایا تھا۔ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ نسخہ قرآن شریف زیدؓ والے قرآن شریف کے ساتھ سوائے خفیف اصلاحات کے بالکل مطابق ہے؟ اس بات کے ماننے کیلیے پورے پورے دلایل موجود ہیں۔ کہ واقع میں ایسا ہی ہے۔ کسی پرانی روایت اور معتبر حدیث سے ذرہ بھر بھی شک کرنیکی وجہ پیدا نہیں ہوتی کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے دعوے کی تائید میں قرآن شریف میں ایک ذرہ بھر تصرف کیا ہو۔ اس میں شک نہیں کہ متاخرین شیعوں نے غلطی سے یہ بات گھڑ رکھی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے بعض سورتیں اور بعض آیتیں عمداً درج قرآن نہ کرنے دی تھیں۔ اور وہ سورتیں اور آیتیں ایسی تھیں جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دعاوی کی مؤید تھیں۔ لیکن شیعوں کی یہ بات بالکل اعتبار کے قابل نہیں۔ جب حضرت عثمانؓ کا نسخہ قرآن طیار ہو گیا تو حضرت علیؓ کے پیرووں اور بنو امیہ میں کوئی ظاہری اختلاف پیدا نہیں ہوا تھا۔ اور

اخوت و وحدت اسلامی میں کوئی فرق واقع نہ ہوا تھا۔ حضرت علیؓ کے دعوے ابھی تک منصۂ ظہور میں آئے ہی نہ تھے۔ کوئی ایسی غرض کافی طور پر نظر نہیں آتی کہ جس نے ایسے وقت میں حضرت عثمان رضؓ کو ایسے مکروہ اور سیاہ جرم کے ارتکاب پر آمادہ کر دیا ہو جو مسلمانوں کے نزدیک سب سے زیادہ تاریک گناہ ہے۔ پھر ماسوا اس کے جب حضرت عثمانؓ نے قرآن جمع کر کے اسکو مستند طور پر شایع کیا تھا تو وہ ایسا وقت تھا کہ جبکہ ابھی ہزارہا ایسے لوگ زندہ موجود تھے جنہوں نے وقت نزول سے ہی قرآن شریف کو سنکر حفظ کر لیا ہوا تھا۔ اور اگر کوئی سورۃ یا آیت ایسی ہوتی جو حضرت علیؓ کے دعوے کے مؤید تھی تو ضرور تھا کہ وہ ہزارہا لوگوں کے ہاتھوں میں محفوظ ہوتی جو حضرت علیؓ کے ساتھ خاص اخلاص اور تعلق رکھتے تھے۔ یہ دونوں ایسی باتیں تھیں کہ انسے اصل قرآن میں کسی قسم کے تصرف و تغیر کا دخل پانا ممکن ہی نہیں تھا۔ پھر اس کے علاوہ حضرت عثمانؓ کے فوت ہوتے ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خیرخواہوں کی جماعت کا غلبہ ہو گیا اور ایسی آزاد طاقت حاصل کرلی کہ انکو خلیفہ بنا دینے میں کامیاب ہو گئے۔ کیا یہ گمان صحیح ہو سکتا ہے کہ جب اسطرح ان لوگوں کو قوت اور دولت مل گئی تھی تو اسوقت وہ اسی ناقص قرآن شریف کے رواج کی اجازت دے رکھتے؟ اور ناقص بھی ایسا کہ ان کے اپنے پیشوا حضرت علیؓ ہی کے دعووں کی آیات اور سور کے اندراج سے ناقص۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وہ لوگ بھی اسی قرآن کو بلا قیل و قال ہمیشہ استعمال کرتے رہے۔ اور ان کے مخالف بھی اسی قرآن کو پڑھتے رہے اور خفیف سے خفیف اعتراض بھی اس کے خلاف نہیں کیا۔''

اسجگہ یہ بات بھی ذکر کر دینے کے قابل ہے کہ شیعوں کی ساری جماعت ہی ایسا اعتقاد نہیں رکھتی کہ قرآن شریف کے کچھ حصے گم ہو گئے تھے یا وہ سورتیں جو حضرت علیؓ کے دعووں کی مؤید تھیں انکو حضرت عثمانؓ یا زیدؓ نے عمداً چھوڑ دیا تھا۔ ان لوگوں میں بھی زیادہ ایسے ہوئے ہیں اور ہیں جو مانتے ہیں کہ قرآن شریف ہر قسم کی آلایش اور تصرف سے پاک ہے۔ اور یہی قرآن شریف جو بین الدفتین دنیا میں موجود ہے زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور زمانہ صحابہؓ اور زمانہ تابعین میں تھا۔ اور یہی بلا تغیر و تبدل حرفے و حرکتے موجود ہے۔ یہی اعتقاد بڑے بڑے فضلاء اور محققین اہل تشیع کا ہے۔ البتہ جاہل لوگ ایسا اعتقاد رکھتے ہیں کہ بعض حصص قرآن شریف گم ہو گئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ہم تفسیر صافی میں سے جو اہل شیعہ کی ایک بڑی معتبر تفسیر ہے اور آجکل انکے مدارس میں بطور درس داخل ہے چند فضلائے اہل تشیع کے آراء لکھتے ہیں۔ جو انہوں نے اس قرآن شریف کی نسبت جو آج کل دنیا میں رائج ہے ظاہر فرمائی ہیں۔ چنانچہ اس تفسیر میں ملا محسن جاہل شیعوں کے خیالات کی تردید کرتا ہے اور لکھتا ہے۔ فقد روی جماعة من اصحابنا وقوم من حشویة العامة ان فی القرآن تغیراً او نقصاناً والصحیح من مذهب اصحابنا خلافه وبلغت حد المر تبلغه

فیما ذکرناہ لان القرآن معجزۃ النبوۃ و ماخذ العلوم الشرعیۃ والاحکام الدینیۃ و علماء المسلمین قد بلغوا فی حفظہ وحمایتہ الغایۃ حتیّٰ عرفوا کل شی اختلف فیہ من اعرابہ و قرأتہ وحروفہ وآیاتہ فکیف یجوز ان یکون مغیراً او منقوصاً مع العنایۃ الصادقۃ والضبط الشدید۔ یعنی ہمارے دوستوں کی ایک جماعت اور عوام حشویہ نے یہ روایت کی ہے کہ قرآن شریف میں تغیر اور نقصان ہے اور ہمارے اصحاب کا صحیح مذہب اسکی خلاف ہے اور نیز ان لوگوں کی رائے اس حد تک پہنچی ہے کہ ہم اسکو بیان نہیں کر سکتے اور صحیح بات یہ ہے کہ قرآن نبوت کا اعجاز اور علوم شرعیہ اور دینی احکام کا ماخذ ہے اور علمائے اسلام نے یہانتک اس کی حفاظت اور حمایت کی ہے کہ انھوں نے ہر چیز پر جس میں اعراب اور قرأت اور حروف اور آیات کے بارہ میں اختلاف کیا گیا ہے عرفان تام اور واقفیت عام پیدا کرلی ہے۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ ایسے ضبط شدید اور حفاظت صحیحہ کی موجودگی میں کسی قسم کا تغیر یا کمی ہونے پائی ہو۔ دیکھو تفسیر صافی مصنفہ ملا محسن صفحہ ۱۴)۔ پھر آگے چلکر مصنف مذکور اسی صفحہ پر لکھتا ہے۔ ان القرآن کان علی عہد رسول اللہ مجموعاً مولفاً علی ماھو علیہ الآن و استدل علی ذٰلک بان القرآن کان یدرس ویحفظ جمیعہ فی ذٰلک الزمان حتیّٰ عین علی جماعۃ من الصحابۃ فی حفظھم لہ و انہ کان یعرض علی النبی وصلّی علیہ و ان جماعۃ من الصحابۃ مثل عبد اللہ بن مسعود و ابی بن کعب وغیرھما ختموا القرآن علی النبی عدۃ ختمات وکل ذٰلک یدل بادنی تامل علی انہ کان مجموعاً غیر مبتور و مبثوث وذکر ان من خالف فی ذٰلک من الامامیۃ والحشویۃ لا یعتد بخلافھم فان الخلاف فی ذٰلک مضاف الی قوم من اصحاب الحدیث نقلوا اخباراً ضعیفۃ۔ یعنی یہی قرآن رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں اسطرح جمع شدہ اور اکٹھا تھا جسطرح آجکل ہے اور اسپر یہ دلیل ہے کہ قرآن حمید مکمل و مجموعی طور پر اس زمانہ مبارک میں پڑھا جاتا اور حفظ کیا جاتا تھا۔ اور صحابہؓ کی ایک جماعت مثل عبد اللہ و ابی بن کعب وغیرہ نے چند مرتبہ قرآن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ختم کیا۔ اور ان باتوں پر ادنیٰ تامل اور تفکر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قرآن مرتب و مدون تھا۔ تتر بتر نہیں تھا۔ اور یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ امامیہ یا حشویہ میں سے جن لوگوں نے اس رائے کی مخالفت کی ہے انکی اس کے مقابل میں کوئی حقیقت اور شمار نہیں ہے کیونکہ یہ خلاف صرف اصحاب حدیث سے ہوا ہے جنہوں نے ضعیف خبریں نقل کردی تھیں۔

پھر مفسر مذکور اپنی تفسیر میں بہت سارے ایسے بڑے بڑے مسلم اور مستند علما و فضلا و محدثین امامیہ کے

اعتقاد کا اقتباس کرتا ہے کہ جن کی عظمت اور لیاقت کی شہرت کا سکہ تمام شیعہ دنیا میں بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے بہت ساری حوالے ایسے نقل کیے ہیں جن میں یہ لوگ صاف اور کھلے الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ یہ قرآن جو بین الدفتین مسلمانوں میں رائج ہے یہ ٹھیک وہی قرآن ہے جو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا تھا اور اس میں کوئی تغیر و تبدل واقعہ نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ اس نے ایک حدیث بھی نقل کی ہے جو امامیہ فرقہ میں بہت مستند اور مسلم حدیث ہے۔ اور جس کے استناد پر کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا گیا۔ یہ حدیث بھی اسی بات کی تائید کرتی ہے کہ یہی قرآن شریف جو دنیا میں عام طور سے مروج ہے لفظاً لفظاً اور حرفاً حرفاً وہی ہے جو آنحضرت صلعم پر نازل ہوا تھا اور جس طرح آپ نے ترتیب دلائی تھی اور اس میں کسی تبدل و تغیر کو کسی طرح سے دخل نہیں ہوا۔

ان مذکورہ بالا حوالوں سے کافی طور پر ثابت ہے کہ علمائے محققین فرقہ امامیہ کو بھی مسلمانوں کے دوسرے فرقوں کے علماء کے ساتھ اس بات میں اتفاق ہے کہ یہ قرآن شریف جو بین الدفتین مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود ہے ٹھیک وہی ہے جو آنحضرت صلعم پر نازل ہوا تھا۔ اور کہ اس میں کسی قسم کی دسترس کسی غیر کی نہ اسکی ترتیب میں اور آیت و لفظ و حرف میں بلکہ کسی حرکت کے بدلنے میں بھی ہو سکی۔ اگر یہ نادان معترض قرآن شریف کے اس اعجاز کی طرف نظر غور اٹھا کر دیکھتے کہ جبکہ حضرت عثمانؓ کا شائع کردہ قرآن آج تک دنیا میں اسقدر وسیع طور سے مروج اور شائع ہو چکا ہے اور اسلامی اقوام اسقدر دور دور پھیل گئی ہیں مگر مختلف ممالک میں رہنے اور مختلف زبانوں کے بولنے کے باوجود جہاں کہیں جاؤ تیرہ سو برس سے وہی قرآن موجود ہے اور اس میں کسی قسم کا اختلاف اور تغیر واقعہ نہیں ہو سکا۔ تو پھر کیونکر ممکن تھا کہ صرف تیرہ برس کے ایسے پاک زمانہ ہی میں اس میں کسی کے دستبرد کو راہ مل جاتی۔ وہ تو ایسا زمانہ تھا کہ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد صرف تیرہ سال ہی گذرے تھے اور مسلمانوں میں وحدت موجود تھی۔ اور ایک ملک اور قریباً ایک ہی زبان کے سمجھنے والے تھے۔ اور ان میں کثیر التعداد ایسے قراء و حفاظ موجود تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھ کر قرآن حفظ کیا ہوا تھا۔ اور تازہ تازہ زمانہ تھا۔ اور اس کے بعد ہمارے زمانہ تک مختلف قوموں میں ہزارہا اختلافات واقعہ ہوئے۔ ہزارہا قومیں مختلف ملکوں میں رہنے والی اور مختلف زبانیں بولنے والی اسلام میں داخل ہو گئیں پھر جبکہ اس تیرہ سو برس کے لمبے زمانہ میں ایک حرکت بھی بدل نہیں سکی تو اس پہلے زمانہ کی نسبت کسی تبدیلی یا فروگذاشت کا خیال کرنا ہی سراسر حق کا خون کرنا ہے۔ وہ ابتدائی زمانہ ایسا تھا کہ جس میں وہ اسباب جن سے قرآن شریف ہر آلایش اور تصرف سے محفوظ رکھا جا سکتا تھا بہت کثرت سے موجود تھے اصحاب رسول کریم صلعم اور تمام متقدمین اس بات کو علی وجہ البصیرت مانتے اور جانتے تھے کہ قرآن شریف میں سے کچھ بھی کم نہیں ہوا۔ امام بخاری نے ایک حدیث

لکھی ہے اور یہ ایسی حدیث ہے کہ جس کی صحت پر کبھی کوئی جرح واقع نہیں ہوئی۔ اور وہ یہ ہے کہ جب ابن عباس اور محمد بن حنفیہ سے پوچھا گیا کہ آنحضرت صلعم نے کیا چھوڑا ہے تو دونوں نے متفق اللفظ ہوکر جواب دیا کہ ماترك الامابين الدفتين "یعنی آپ نے وہی کچھ چھوڑا ہے جو بین الدفتین موجود ہے"۔ واضح رہے کہ بین الدفتین کی اصطلاح وہ ہے جو اس قرآن شریف کے لیے پہلے بولی گئی تھی جو حضرت عثمانؓ نے شایع کیا تھا۔ انکا مطلب یہ تھا کہ یہی قرآن جو حضرت عثمانؓ نے شایع کیا ہے آنحضرت صلعم نے پیچھے چھوڑا ہے۔

پیشگوئی متعلقہ ڈوئی کی تصدیق

ڈوئی کے متعلق جو پیشگوئی حضرت مسیح موعودؑ نے شایع کی تھی اس کی اشاعت زیادہ تر امریکہ کے اخباروں کے ذریعہ سے ہی ہوئی تھی۔ اس لیے اس پیشگوئی کے پورا ہونے پر اس کے پورا ہونیکی تفصیل کو بھی بعض صاحبان اخبارات امریکہ کے پاس بھیجا گیا تا وہ ان واقعات پر غور کریں۔ اور اس کے پورا ہونیکے متعلق اپنی رائے ظاہر کریں۔ اب ان میں سے بعض اخبارات کی رائے ہم تک پہنچی ہے اور اگر اس امر کو مدنظر رکھا جاوے کہ اس رائے کا اظہار کرنیوالے وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں مذہبی اور قومی تعصب کی وجہ سے جو سیکڑوں سالوں سے انکے خونوں میں رچ گیا ہے اسلام اور اس کے بانی علیہ الصلوۃ والسلام کے خلاف ایک کینہ بیٹھا ہوا ہے جس نے بسبب دیرینہ ہونیکے ایک طبعی رنگ پکڑ لیا ہے۔ غرض اس طبعی تعصب اور عداوت کو مدنظر رکھکر جب ہم ان رائوں کو پڑھتے ہیں جو پیشگوئی کے پورا ہونے پر دی گئی ہیں تو ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زبردست دلائل اور یقینی واقعات نے ان لوگوں کو مجبور کیا ہے کہ پیشگوئی کی صداقت کو تسلیم کریں۔ افسوس ہے کہ ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں کہ جسقدر رائے زنی ان اخبارات میں ڈوئی والی پیشگوئی کے متعلق ہوئی ہے وہ سب ہم تک پہنچ جائے۔ صرف معدودے چند اخبار والوں نے اپنے اخبار بھیجدیے ہیں۔ جن سے ہمکو اسقدر اطلاع ملی ہے جس کا حوالہ ذیل میں درج ہے۔

ٹروتھ سیکر نیویارک کا ایک دہریہ اخبار ہے۔ اس اخبار میں قبل اسکے بھی کہ ہماری طرف سے تفصیل واقعات بھیجی جاوے اور توجہ دلائی جاوے اس پیشگوئی کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ اب جو کچھ اس اخبار میں ۵ اجون ۱۹۰۷ء کے پرچہ میں لکھا گیا ہے اسکو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

"وہ جس پیشگوئی کا ذکر مندرجہ بالا عنوان کے رسالہ میں ہے (اس سے مراد وہ رسالہ ہے جو ڈوئی کی موت

میں خدائی فیصلہ کے عنوان سے لکھکر شایع کیا گیا تھا) اس کی طرف ہم اس سے پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں۔ ڈوئی جو کہ مر چکا ہے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو (نعوذ باللہ) مفتریوں کا بادشاہ کہا کرتا تھا۔ اس نے نہ صرف یہ پیشگوئی کی تھی کہ صیہون (یعنی اسکا قایم کردہ سلسلہ) تمام مسلمانوں کو ہلاک کر دے گا۔ بلکہ وہ ہر روز خدا سے یہ دعا بھی کیا کرتا تھا کہ وہ وقت جلد آوے جب ہلال (یعنی اسلام) دنیا سے نیست و نابود ہو جاوے۔ جب اس بات کا علم ہندوستانی مسیح کو ہوا تو انہوں نے الیاس ثانی کے نام کا ایک چیلنج عام طور پر دنیا میں شایع کیا جس میں اس کو اس مباہلہ کی طرف بلایا گیا تھا کہ دعا کیجاوے کہ دونوں میں سے جو جھوٹا ہے خدا اسے دوسرے کی زندگی میں ہلاک کرے۔ قادیان کے رہنے والے نے یہ پیشگوئی کی کہ اگر ڈوئی چیلنج کو قبول کرے گا تو وہ میری آنکھوں کے سامنے دنیا کو بڑی حسرت اور دکھ کے ساتھ چھوڑیگا۔ مرزا صاحب نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر ڈوئی نے اس چیلنج کے قبول کرنیسے انکار کیا تو اسکی ہلاکت میں صرف چند روزہ توقف ہوگا۔ موت دونوں صورتوں میں اسکے لیے تیار ہے اور اس کے صیہون پر جلد تر آفت آویگی۔ یہ تھی عظیم الشان پیشگوئی کہ صیہون تباہ ہو جائیگا۔ اور ڈوئی احمد کی آنکھوں کے سامنے ہلاک ہو جائیگا۔ الیاس کو اس طرح چیلنج کرنا جس میں موت صداقت کا معیار تھا مسیح موعودؑ کے لیے ایک خطرہ والا امر تھا کیونکہ چیلنج کرنیوالا شخص دوسرے سے عمر میں پندرہ سال بڑا تھا۔ اور ایک ایسی سرزمین میں جہاں ایک طرف طاعون زور پر ہو اور دوسری طرف مذہب کی خاطر قتل کر دینے والے لوگ کثرت سے موجود ہوں ظاہری واقعات چیلنج کرنیوالے کے زیادہ دیر تک زندہ رہنے کے خلاف تھے۔ مگر وہ جیت گیا۔ ×

دو نبیوں کی جنگ بعید زمانہ سے چلی آتی ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ جبتک دو بالمقابل میدان میں ہونگے یہ جنگ جاری رہیگی۔ جس زمانہ کا ذکر بائبل کے لکھنے والوں نے کیا ہے۔ اس زمانہ میں معجزات میں مقابلے ہوا کرتے تھے۔ ہارون نے جو حضرت موسیٰ کے جانشین تھے ایک اسی قسم کا مقابلہ کیا جس کا انتظام فرعون نے کیا تھا۔ انہوں نے اپنا عصا فرعون کے سامنے پھینکا تو وہ سانپ بن گیا۔ فرعون نے بھی مصر کے جادوگروں کو بلایا جنہوں نے یہی کام دوبارہ کر دکھایا یعنی انکی سونٹیاں جب زمین پر ڈالی گئیں تو وہ بھی سانپ بن گئیں مگر ہارون کامیاب ہوئے کیونکہ انکا عصا جادوگروں کی سونٹیوں کو نگل گیا۔"

اس تحریر کے حصہ اول میں پیشگوئی کے پورا ہونیکو صریح الفاظ میں تسلیم کیا گیا ہے۔ مگر آخری حصہ میں جو کچھ اس اخبار کے دہریہ ایڈیٹر نے لکھا ہے وہ بھی ایک قابل غور امر ہے۔ اگرچہ اس نے بسبب اپنے دہریہ پن کے اس جنگ کو جو ہمیشہ سے جھوٹے اور سچے مدعیوں کے درمیان ہوتا چلا آیا ہے استہزا کے رنگ میں بیان کیا ہے۔ مگر اسکو اس پیرایہ بیان کو چھوڑ کر اگر حقیقت الامر پر غور کیا جاوے تو بات بالکل سچی ہے۔ حضرت موسیٰؑ اور ساحروں کا

مقابلہ کیا تھا۔ حق اور باطل کی ایک جنگ تھی جس میں حق کامیاب ہوا اور باطل ناکام و نامراد ہوا۔ حضرت موسیٰؑ خدا کے ایک برگزیدہ نبی تھے۔ اور مقابلہ میں انہوں نے اپنی کسی تدبیر پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر آپکا ایمان تھا کہ تو کامیاب ہوگا۔ وہ اکیلے تھے اور ان کے بالمقابل ایک بادشاہ اور اس کے تمام وہ ہتھیار جو اکٹھے کر سکتا تھا۔ یہ ساحر سارا بھروسہ اپنی تدبیروں پر رکھتے تھے۔ پھر خدائے تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو کامیاب اور ساحروں کو ناکام کرکے دکھا دیا کہ اسکا زبردست ہاتھ کس کی تائید میں کام کر رہا ہے اگر حضرت موسیٰؑ کا بھروسہ بھی صرف اپنی تدبیروں پر ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ ایک تنہا آدمی ہزاروں آدمیوں کے منصوبوں پر غالب آتا۔ غرض حضرت موسیٰؑ اور ساحروں کا جنگ صادق اور کاذب کا یا حق اور باطل کا جنگ تھا۔ سو اللہ تعالیٰ نے حق کو غالب کیا اور باطل کو ذلیل و خوار کیا اور اسطرح پر اپنے فیصلہ سے دنیا پر یہ ظاہر کر دیا کہ اسکی طرف سے کون ہے اور کاذب کون ہے۔ حضرت موسیٰ کی ہی یہ کوئی خصوصیت نہیں بلکہ ہر نبی کی زندگی میں یہی نظارہ حق اور باطل کے جنگ کا دیکھا جاتا ہے اور ہر جگہ اسی کلام الٰہی کا صدق ظاہر ہوتا ہے کہ جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔ یہی نقشہ حق اور باطل کے جنگ کا اس زمانہ کے مصلح خدا کے برگزیدہ مامور جری اللہ فی حلل الانبیا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں اللہ تعالیٰ نے اتمام حجت کے لیے کئی دفعہ دکھایا ہے۔ بہتیرے باطل پرست اور تاریکی کے فرزند اس حق اور نور کے بالمقابل اُٹھے مگر ہر دفعہ حق ہی غالب ہوا اور باطل ہلاک ہوکر اپنی سزا کو پہنچا۔ ڈوئی بھی ایسا ہی ایک باطل کا وکیل تھا جو حق کے مقابلہ پر آگیا۔ اور جیسا کہ اس اخبار کے دہریہ ایڈیٹر نے لکھا ہے ایک طرف حضرت مسیح موعودؑ کا عمر میں ڈوئی سے پندرہ سال بڑے ہونا پھر ایک ایسی سرزمین میں ہونا جہاں ہر روز ہزار ہا انسان طاعون کا شکار ہوتے ہیں اور تمام انسانوں کی زندگیاں معرض خطر میں پڑی ہوئی ہیں۔ اور پھر جہاں مذہبی تعصب اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ اختلاف مذہبی کی وجہ سے ایک شخص کا قتل کر دینا کچھ بھی مشکل امر نہیں ہے۔ اور دوسری طرف ڈوئی کا نہ صرف پچاس سال کی عمر کا ایک مضبوط اور تندرست جوان ہونا بلکہ ساتھ ہی اسکے ہر طرح سے آسایش اور راحت کے سامان میسر ہونا اور حفظان صحت کے ہر قسم کے سامانوں کا موجود ہونا۔ یہ ایسے امور تھے جن کے ہوتے ہوئے اس مباہلہ اور پیشگوئی میں کہ جھوٹا صادق کی زندگی میں اور اس کی آنکھوں کے سامنے ہلاک ہوگا ایک دانشمند انسان قیاس سے حکم حضرت مسیح موعودؑ کے خلاف ہی لگاتا۔ مگر جو انسانی تدبیر اور دانش کہتی تھی وہ نہ ہوا بلکہ جو خدا کا وعدہ تھا کہ بڑی حسرت اور دُکھ کے ساتھ ڈوئی ہلاک ہوگا اور اس کے صیہون پر ایک خطرناک آفت آئیگی وہی وعدہ پورا ہو کر رہا اور اس اپنے وعدہ کو پورا فرما کر اللہ تعالیٰ نے دنیا کو یہ کھولکر دکھا دیا ہے کہ حق کہاں ہے اور باطل کہاں اور صادق کون ہے اور کاذب کون تھا۔ ایسے کھلے کھلے نشان کو

دیکھکر نہ ماننے والا وہی شخص ہو سکتا ہے جو حضرت موسیٰؑ کے ساحروں پر غلبہ کو اور ہر ایک راستباز نبی کے کاذبوں اور مفتریوں پر غلبہ کو ایک بے حقیقت چیز سمجھتا ہو یا یوں کہو کہ ٹروتھ سیکر اخبار کے ایڈیٹر کی طرح محض دہریہ ہے۔ مَیں تو یہ کہونگا کہ اس دہریہ نے بھی ایک سچی بات کہدی ہے یعنی یہ کہ حضرت مسیح موعودؑ کا ڈوئی کے مقابلہ میں کھلے کھلے طور پر کامیاب نکلنا ویسا ہی ہے جیسا حضرت موسیٰؑ کا ساحروں کے بالمقابل کامیاب ہونا۔ پس جو شخص ایک کی کامیابی کو اس کی راستبازی اور صداقت پر دلیل سمجھتا ہے اسے دوسرے کی کامیابی کو بھی اس کی صداقت اور راستبازی پر دلیل سمجھنا چاہیئے۔ کاش اگر یہ لوگ یعنی وہ جو انبیاء علیہم السلام کو ماننے والے ہیں مسلمان یا عیسائی غور کرتے تو اس مقابلہ سے انکے ایمان تازہ ہوتے کہ حضرت موسیٰؑ اور ساحروں کا قصہ بھی ایک کہانی نہیں بلکہ ایک کھلی کھلی حقیقت ہے جس کی ایک زندہ مثال خدا نے اس زمانہ میں ظاہر کر کے بلکہ ایک نہیں کئی مثالیں ظاہر کر کے اس پہلی حقیقت کو بھی تقویت پہنچائی ہے۔ مگر آنکھوں پر پردے ہیں جنکو خدا کا فضل ہی دُور کر سکتا ہے اور دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں جنکو خدا کے رحم کا ہاتھ ہی کھول سکتا ہے۔ ایک دہریہ نے تو ایک سچی بات کہدی مگر یہ لوگ جو خدا کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں انکے مُنہ سے اتنی سچی بات بھی نہیں نکل سکتی۔

اسی پیشگوئی پر ایک رائے اخبار ہیرلڈ۔ بوسٹن کی نیچے درج کیجاتی ہے جو اس اخبار کے ۲۳۔ جون ۱۹۰۷ء کے پرچے میں ظاہر کی گئی ہے۔ اس کا عنوان یوں ہے۔ مرزا غلام احمد مسیح ایک عظیم الشان انسان ہے انہوں نے ڈوئی کی حسرتناک موت کی پیشگوئی کی۔ اور اب طاعون۔ طوفان اور زلزلہ کی پیشگوئی کرتے ہیں‘‘ اس عنوان کے نیچے لکھا ہے۔

’’۱۹۰۳ء میں اگست کے تیئیس ۲۳ دن گذرے تھے۔ جب مرزا غلام احمد قادیانی (ہندوستان) نے الگزنڈر ڈوئی کی موت کی پیشگوئی کی جو الیاس ثالث کہلاتا تھا اور جس کی موت گذشتہ مارچ میں واقع ہوئی اور اب مرزا غلام احمد قادیانی پھر ۲۳۔ جون کو کہتے ہیں۔ کہ اب اس ملک کی باری بھی قریب آگئی ہے۔ ایسے زلزلے آئیں گے جن کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہ ملے گی۔ اور وہ قیامت کا نمونہ ہونگے۔ اور یورپ اور دوسرے عیسائی ممالک میں ایک قسم کی طاعون ظاہر ہوگی جو بہت سخت ہوگی۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے آنیسے خدا تعالیٰ کے غضب کے مخفی ارادے ظہور میں آگئے ہیں۔ پھر دنیا پر نوح کا زمانہ آئیگا اور جو حالت لوط کی زمین پر گذری تھی اسکو تم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرو گے × × × × × × × × × × یہ صاحب جو ہندوستان کے بسنے والے ہیں دنیا کے مشرقی ممالک میں کئی سال سے مشہور ہیں۔ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ مَیں وہ سچا مسیح ہوں جو آخری زمانہ میں ظاہر ہونیوالا تھا اور خدا نے اپنے فضل کی بارش مجھ پر

کی ہے۔ ریاستہائے متحدہ کی توجہ انکی طرف پہلے پہل ۱۹۰۲ء میں ہوئی۔ اور اس کی وجہ انکا ایک مباہلہ الیاس ثالث کے ساتھ تھا۔ ڈوئی کی موت کے بعد ہندوستانی نبی کی شہرت بہت بلند ہوگئی ہے کیونکہ کیا یہ سچ نہیں کہ انہوں نے ڈوئی کی موت کی پیشگوئی کی تھی۔ کہ یہ انکی یعنی مسیح کی زندگی میں واقع ہوگی۔ اور بڑی حسرت اور دکھ کے ساتھ اسکی موت ہوگی۔ ڈوئی کی عمر انسٹھ سال کی تھی اور پیشگوئی کرنے والے کی چھہتر سال کی۔ یہ وہ لفظ تھے جن میں ڈوئی کی موت کی پیشگوئی کی گئی تھی" (اس کے بعد اصل الفاظ پیشگوئی کے ہیں جو حضرت مسیح موعودؑ کے اشتہار "ڈوئی اور پگٹ کی موت کی پیشگوئیوں" سے لیے گئے ہیں۔ یہ پیشگوئی دعا کے الفاظ تک نقل کی گئی ہے۔ پھر اس کے بعد یہ اخبار والا لکھتا ہے۔

"ڈوئی نے اول اول اس چیلنج کی طرف جو کہ دور مشرق سے آیا تھا کوئی توجہ نہ کی۔ مگر ۲۶ ستمبر ۱۹۰۳ء کو اس نے اپنے صیہون شہر کے اخبار میں یہ لکھا کہ لوگ بعض وقت مجھے کہتے ہیں کہ تم فلاں فلاں بات کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ جواب! کیا تم خیال کرتے ہو کہ میں مچھروں اور مکھیوں کو جواب دوں گا" اس کے بعد ایسے ہی اور فقرات اس کے نقل کیے ہیں۔ پھر لکھتا ہے۔

"ڈوئی ایسی حالت میں مرا جبکہ اس کے تمام دوستوں نے اسے چھوڑ دیا اور اس کی دولت اور اقبال جاتے رہے۔ وہ مفلوج اور دیوانہ ہوگیا۔ اور ایک نہایت ہی بُری موت مرا اور اس کا صیہون بھی اندرونی جھگڑوں اور فسادوں کے سبب سے نہایت خراب حالت میں ہوگیا۔

اب مرزا صاحب پھر صفائی کے ساتھ اس بات کو پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس چیلنج یا پیشگوئی میں وہ کامیاب ہوئے ہیں اور ہر ایک طالب حق کو بھی بلاتے ہیں کہ چونکہ حق اسی طرح ظاہر ہوا جس طرح انہوں نے کہا تھا اس لیے طالبان حق کو چاہیئے کہ اسے قبول کریں۔"

اس کے بعد پگٹ کا کچھ حال لکھا ہے جس نے خدا ہونیکا دعویٰ کیا تھا۔ لکھا ہے کہ اس نے اپنے پیرووں سے یہ وعدہ کیا تھا کہ ۲۴۔ اگست ۱۹۰۱ء کو میں تم سب کو لیکر آسمان پر چڑھ جاؤں گا مقررہ وقت پر وہ سب ایک میدان میں جمع ہوئے اور انتظار کرنے لگے کہ کب یکایک انکو آسمان پر اُٹھا لیا جاویگا۔ مگر کچھ بھی نہ ہوا۔ اسکی توجیہ پگٹ نے یوں کی کہ تم نے گناہ کرکے خداوند کو ناراض کردیا ہے اس لیے وہ تمہیں قبول کرنیسے انکار کرتا ہے ...... اب اس جگہ میں جو پگٹ کے رہنے کا مقام ہے جسے مکان محبت کہا جاتا ہے۔ نکاح اور شادی کوئی نہیں ہوتی۔ .... اور نہایت فحش اور گندے کام ہوتے ہیں جنکی وجہ سے عام طور پر پگٹ کی تعلیم سے بیزاری پیدا ہوگئی ہے۔"

پھر اس کے بعد ان پیشگوئیوں کو نقل کیا گیا ہے جو اپنے دعاوی کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کی ہیں (باقی آئندہ)

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۱۲-جولائی ۱۹۰۷ء - ایک اشتہار مشتمل بر سب و شتم و فتویٰ کفر و ارتداد جہلم میں انصر نو چھپکر حضرت اقدس کے پاس پہنچا الہام ہوا۔ حالیا مصلحت وقت دراں می بینم - فرمایا کہ یہ بات سچ ہے کوئی نبی یا رسول ایسا نہیں آیا جو اسکو ستایا نہیں گیا اور عجیب بات یہ ہے کہ جھوٹوں کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں ہوتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسقدر ستائے گئے اور کوئی دکھ نہیں جو نہیں دیا گیا مگر مسیلمہ کذاب وغیرہ جھوٹے نبی جب اٹھے تو انکو کسی نے نہیں ستایا اور ہزارہا آدمی انکے ساتھ شامل ہو گئے جبتک کہ خدا نے انکو ہلاک کیا۔ پھر حضرت عیسیٰ ہی کے وقت تین شخصوں نے جھوٹے طور پر نبوت کا دعویٰ کیا۔ مگر کسی یہودی نے انکو صلیب پر نہیں چڑھایا لیکن حضرت عیسیٰ کے ساتھ جو کچھ کیا اس کے بیان کی حاجت نہیں اس سے ثابت ہے کہ یہ اندھی دنیا ہمیشہ سچے سے دشمنی کرتی رہی ہے اور سچوں کو دکھ دیتی رہی ہے۔ بعض ہماری جماعت کے لوگوں نے ارادہ کیا کہ ایسے افترا کرنیوالوں پر گورنمنٹ میں نالش کریں مگر یہ درست نہیں ہے اور ہم نہیں چاہتے کہ دنیا کی عدالتوں کی طرف جاویں ایک ہی ہے جو ہماری دلپر اطلاع رکھتا ہے وہ جس طرح چاہے کریگا۔ اسقدر کافی ہے جو اس اشتہار کے مقابل پر خدا تعالیٰ نے آج ۱۲ جولائی ۱۹۰۷ء کو میرے پر ظاہر فرمایا۔ اور وہ یہ ہے۔ رب اخرجنی من النار۔ الحمد للّٰہ الذی اخرجنی من النار۔ انّی مع الرسول اقوم۔ و الوم من یلوم۔ و اعطیک ما یدوم۔ و لن ابرح الارض الی الوقت المعلوم۔ ترجمہ۔ اے میرے رب مجھے آگ سے نکال۔ سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے آگ سے نکالا۔ میں رسول کے ساتھ کھڑا ہونگا اور اسکو ملامت کرونگا جو اسے ملامت کرے اور تجھے وہ چیز عطا کرونگا جو ہمیشہ رہے اور وقت معلوم تک میں زمین پر رہونگا۔ پھر دیکھا کہ میرے مقابل پر کسی آدمی نے یا چند آدمیوں نے پتنگ چڑھائی ہے اور وہ پتنگ ٹوٹ گئی اور میں نے اسکو زمین کی طرف گرتے دیکھا۔ پھر کسی نے کہا۔ غلام احمد کی جے - یعنی فتح - ۲۰-جولائی ۱۹۰۷ء - (۱) انّی مع الرسول اقوم و ادوم ما یدوم - ترجمہ - میں اپنے رسول کے ساتھ کھڑا ہونگا اور اس بات کا قصد کرونگا جس کا وہ قصد کرے (۲) کشفی رنگ میں مغز بادام دکھائے گئے اور کشف کا غلبہ اسقدر تھا کہ میں اٹھا کہ بادام لوں۔ (۳) ربّ ارنی حقائق الاشیاء۔ ترجمہ۔ اے میرے رب مجھے اشیاء کے حقایق دکھلا۔ (۴) ایسو سی ایشن - (۱) ہیضہ کی آمدن ہونیوالی ہے (۲) انّی مہینٌ من اراد اہانتک۔ انّی معین من اراد اعانتک۔ (۳) اور خواب میں دیکھا کہ میں ایک عورت کو تین روپے دیئے ہیں اور اسے کہتا ہوں کہ کفن کے لیے میں آپ دونگا گویا کوئی مر گیا ہے اس کی تجہیز و تکفین کے لیے طیاری کی ہے۔ یکم اگست ۱۹۰۷ء (۱) ربّ اجعلنی غالباً علی غیری۔ ترجمہ۔ اے میرے رب مجھے میرے غیر پر غالب کر۔ (۲) میری فتح - (۳) انی مع الافواج اٰتیک بغتۃً۔ ترجمہ۔ میں اپنی فوجوں سمیت تیرے پاس اچانک آؤنگا۔

صدر انجمن احمدیہ قادیان

(۱) صدر انجمن احمدیہ کی اہم اور اصلی غرض اشاعت اسلام ہے۔

(۲) صدر انجمن احمدیہ کے متعلق اسوقت حسب ذیل کام ہیں۔

اوّل۔ ایک ہائی سکول کا انتظام جس میں انٹرنس تک دنیوی تعلیم دیجاتی ہے اور اسکے ساتھ عربی اور دینیات کی اسقدر تعلیم دیجاتی ہے جس سے ایک باقاعدہ تعلیم پانیوالا طالب علم قرآن شریف کا ترجمہ اور دین کی بہت سی ضروری باتیں سیکھ لیتا ہے اور اسلام کی صداقت اور غیر مذاہب کے بطلان کے بہتسے دلایل سے آگاہ ہوجاتا ہے۔ اس مدرسہ کے متعلق ایک بورڈنگ ہوس ہے جس میں سوا سو کے قریب لڑکے ہیں علاوہ ازیں ایک گرلز سکول اور دیہات میں تین برانچ سکول ہیں۔

دوم۔ ایک دینیات کے مدرسہ کا انتظام جس میں زیادہ تر تعلیم عربی اور دینیات کی دیجاتی ہے اور اسکے ساتھ طب اور تھوڑی تھوڑی مروجہ مضامین پڑھائے جاتے ہیں کتابت بھی سکھائی جاتی ہے جو لوگ صرف انگریزی اور عربی دینیات کی تعلیم حاصل کرنا چاہیں انکے لیے بھی انتظام کیا گیا ہے۔

سوم۔ ایک میگزین ماہوار کا انتظام جو انگریزی میں بلاد یورپ اور امریکہ اور بعض دیگر ممالک میں کئی سو مفت بغرض اشاعت اسلام تقسیم ہوتا ہے۔ اور اردو میں قریباً دو ہزار کے اشاعت اسکی ہندوستان میں ہے اس رسالہ کے اردو حصہ کے ساتھ ایک ضمیمہ تفسیر القرآن کا بھی ہے جو اصل رسالہ سے الگ ہے۔ جس میں ہر قسم کے مشکلات اور اعتراضات کو نہایت صفائی سے حل کیا جاتا ہے۔

چہارم۔ ایک کتب خانہ جس میں بہت سی حضرت مسیح موعودؑ کی تصنیفات اور بعض دیگر اسلامی تصنیفات اور مدرسہ کی مروجہ کتابیں اور بعض احمدی احباب کی تصنیفات ملتی ہیں اس کی ایک مختصر فہرست دوسری جگہ دیگئی ہے۔

پنجم۔ ایک قبرستان کا انتظام اور اس کے متعلق وصایا وغیرہ کا اہتمام

ششم۔ ایک یتیم فنڈ جس سے حسب گنجایش بعض یتامی کی مدد کیجاتی ہے۔ ایسا ہی ایک مسکین فنڈ ہے جس سے بعض مساکین کو جو مدرسہ میں پڑھتے ہیں مدد دیجاتی ہے اور زکوٰۃ کا روپیہ بھی حسب منشائے شریعت اسلامی جسقدر جمع ہو تقسیم کیا جاتا ہے۔

صدر انجمن احمدیہ کی ضروریات سب سے اوّل لنگر خانہ ہے۔ اس کا انتظام براہ راست حضرت مسیح موعودؑ کے ہاتھ میں ہے۔ تمام بیعت کرنیوالوں کیلیے ضروری ہے کہ کچھ نہ کچھ چندہ لنگر ادا کریں اور اس سلسلہ کی اعانت کریں۔ اسکے اخراجات میں نہ صرف مہمانوں کی آمد و رفت کے اخراجات ہی ہیں بلکہ تعمیر اور خط و کتابت حضرت اقدسؑ اور طبع کتب وغیرہ کے اخراجات کثیر بھی ہیں۔ **دوسری** ضرورت ہائی سکول اور مدرسہ دینیات کے متعلق ہے۔ اس کے لیے بھی تمام بیعت کنندگان کیلیے چندہ دینا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ ماہوار مستقل خرچ ایک ہزار روپے کے قریب ہے اور عمارت کا کثیر خرچ درپیش ہے۔ تیسری ضرورت یہ ہے کہ تمام احمدی احباب اور ایسے غیر احمدی احباب جو تعلیم کے ساتھ یہ بھی چاہتے ہیں کہ انکے بچے دیندار ہوں انہیں اس مدرسہ میں تعلیم کیلیے بھیجیں چوتھی ضرورت

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۳

میگزین کے متعلق ہے اس کا چندہ اُردو میں عا؎ سالانہ ہے۔ اور ضمیمہ یعنی تفسیر القرآن کا چندہ ۱۲ سالانہ ہے۔ اصل میگزین ۴۰ صفحوں پر ضمیمہ ۲۰ صفحوں پر ہے۔ انگریزی رسالہ کی قیمت للعہ سالانہ ہے۔ سب احباب کے لیے ضروری ہے کہ خود اس کے خریدار بنیں۔ اور جو رسالہ مفت تقسیم کیا جاتا ہے اس میں بھی حسب استطاعت اعانت کرکے اشاعت اسلام کیلیے انجمن کی مدد کریں۔ پانچوین۔ ضرورت یتیم فنڈ اور مسکین فنڈ میں مدد کی ہے۔ قربانی کی کھالوں کی قیمت اور ہر قسم کے صدقات اس مد مین بھیجے جاویں قابل استعمال کپڑے وغیرہ بھی بہت کام آسکتے ہیں۔ چھٹی ضرورت زکوٰۃ کے روپیہ یہاں بھیجنے کی ہے۔ اس روپے سے بہت مفید کام ہو رہا ہے تمام احمدی مرد اور عورتیں جو صاحب نصاب ہیں سالانہ اپنی زکوٰۃ کا حساب کرکے اسجگہ بھیجدیں۔ ساتوین ضرورت یہ ہے کہ جو کتابیں انجمن کے کتب خانہ سے مل سکتی ہیں وہ یہاں سے منگوائی جاویں اس سے بھی انجمن کو مدد پہنچتی ہے بعض احباب نے اپنی کتابیں انجمن کے نام ہبہ کر دی ہیں ایسی مثالین بھی قابل تقلید ہیں۔ **نوٹ۔** مقبرہ بہشتی کے شرائط کو جو لوگ پورا کرنا چاہیں وہ اپنی آمد کا دسواں حصہ دیں یا اپنی جائداد کے دسویں حصہ کے متعلق وصیت کریں۔

ضروری ہدایات (۱) ہر ایک قسم کا روپیہ جس کا تعلق صدر انجمن احمدیہ کی کسی مد سے ہو بنام محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان آنا چاہیے مگر لنگر خانہ کا روپیہ حضرت مسیح موعودؑ کے نام بھیجیں اگر دوسری مدات کے ساتھ ملا ہوا ہو تو محاسب کے نام بھیجکر اسی اطلاع دیں کہ وہ حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کر دی۔ (۲) منی آرڈر کے کوپن میں پوری رقم اور اسکی تفصیل کہ کن کن اغراض کیلیے ہے دیا اگر لمبی تفصیل ہو تو علیحدہ خط میں دیں) اور فرستندہ کا نام اور پتہ خوشخط درج ہوں۔ (۳) ہر ایک رقم کی رسید باضابطہ دفتر محاسب سے دیجاویگی پس جس شخص کو رسید دفتر کی محاسب کے دستخطی وقت پر نہ پہنچے اسے خط وکتابت کرکے دریافت کرنا چاہیے۔ ایسی رسیدیں حتی الوسع کچھ مدت کیلیے محفوظ رکھی جاویں۔ **نوٹ۔** ۴؍ سے کم رقم کی رسید نہ دیجاویگی۔ (۴) مدرسہ کے متعلق ہر ایک قسم کی خط وکتابت نائب ناظم مدرسہ یا ہیڈ ماسٹر مدرسہ سے کریں اور بورڈنگ ہوس کے متعلق سپرنٹنڈنٹ بورڈنگ ہوس سے۔ (۵) جو احباب مدرسہ میں اپنے لڑکے بھیجیں انکا ایک ماہ کا خرچ پیشگی ہیڈ ماسٹر صاحب یا سپرنٹنڈنٹ صاحب کے نام بھیجیں اور یہ یاد رکھیں کہ خرچ ہمیشہ سپرنٹنڈنٹ صاحب کے پاس بھیجا جاوے لڑکے کو نہ دیا جاوے سپرنٹنڈنٹ صاحب حسب ہدایت اور حسب ضرورت اسے لڑکے کی بہتری کیلیے خرچ کرینگے اور ماہوار حساب بھیجتے رہیں گے۔ (۶) میگزین کے متعلق کل خط وکتابت مینجر میگزین یا نائب ناظم میگزین کے نام پر کریں۔ اور ایڈیٹر کے نام سوائے ان خطوط کے جنکا تعلق مضامین رسالہ سے ہو اور کوئی خط وکتابت نہ کریں۔ (۷) مقبرہ بہشتی کے متعلق اور وصیت وغیرہ کے متعلق نائب ناظم مقبرہ بہشتی سے خط وکتابت کریں اور انہی سے رسالہ الوصیت طلب کریں جو مفت بھیجا جائیگا۔ وصیت کی فارمین بھی انہی سے طلب کریں اور انہی کے نام وصایا بھیجیں۔ (۸) کتابیں بھی نائب ناظم مقبرہ بہشتی سے طلب کیجاویں جو بذریعہ وی۔ پی مطلوبہ کتب بھیجیں گے اور جگہ سے طلب نہ کیجاویں۔ (۹) امور متعلقہ صدر انجمن میں سکرٹری صدر انجمن احمدیہ سے خط وکتابت کریں (۱۰) وظائف مسکین فنڈ کے متعلق درخواستیں صرف دو دفعہ سال میں پیش ہونگی یعنی نومبر اور مئی میں پس جو صاحب درخواستین بھیجیں وہ اسبات کو ملحوظ رکھیں کہ انکا جواب سوائے ان دو اوقات کے نہیں مل سکیگا۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ بدون منظوری مجلس کبھی طالبعلم کو جسکے وظیفہ کیلیے درخواست کیگئی ہو یا کرنیکا